شوماٹا کی
لاش
اشتیاق احمد

# دعوت

انسپکٹر جمشید گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ میں ایک سنہری رنگ کا لفافہ بھی تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے اس لفافے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا، اس کا رنگ تو سنہری تھا ہی، ارد گرد سنہری تاروں سے نقش و نگار بھی بنے ہوئے تھے اور بیچوں بیچ سورج مکھی کا ایک پھول بنا تھا، انھوں نے اتنا پیارا اور اتنا خوبصورت لفافہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ابا جان! کیا یہ لفافہ آپ کے کسی دوست نے بھیجا ہے؟" فرزانہ نے پرشوق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں بیٹی! وہ میرے ہی نہیں، تمہارے بھی دوست ہیں، انھوں نے ہمیں دعوت دی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"جی کیا مطلب! کون ہیں وہ؟" محمود چونکا۔

"وہ ایک بار ہمارے ملک کے دورے پر آئے تھے، وہ ہمارے دوست کے صدر ہیں، تمہیں یاد ہوگا، جس سرکاری عمارت میں انہیں تقریر کرنی تھی وہ دونوں کے دشمن ملک کے جاسوسوں کے قبضے میں آگئی تھی، پھر ہم وہاں پہنچے تھے اور ایک زبردست معرکہ ہوا تھا۔ دشمنوں نے عمارت میں

بم رکھ دیا تھا، لیکن آخر ہم کامیاب ہو گئے، صدر بال بال بچ گئے۔ اس روز انہوں نے ہم سے علیحدگی میں ملاقات کی تھی، تم تینوں کو سونے کے بنے ہوئے پستول بھی دیے تھے اور اپنے ملک کی سیر کے لیے آنے کی دعوت بھی دی تھی۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تو کیا اب انہوں نے اپنے ملک کی سیر کی ہمیں باقاعدہ دعوت دی ہے؟"

"ہاں! یہ خط انہی کا ہے۔ لو تم تینوں بھی پڑھ لو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے لفافے میں سے ایک چکنا اور موٹا کاغذ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ کاغذ کا رنگ ہلکا نیلا تھا اور اس پر الفاظ گہری نیلی روشنائی سے لکھے گئے تھے۔ تینوں ایک ساتھ کاغذ پر جھک گئے، لکھا تھا:

ڈیر انسپکٹر جمشید اور پیارے بچو!

آپ کے ملک سے رخصت ہوتے وقت میں نے آپ کو اپنے ملک کی سیر کی دعوت دی تھی۔ اب میں اس سیر کی باقاعدہ دعوت دے رہا ہوں۔ آپ لوگ خط ملتے ہی چلے آئیے، حکومتی سطح پر بات ہو چکی ہے۔ اگرچہ ان دنوں میرے ملک کا موسم خوشگوار نہیں ہے، پھر بھی یہاں کے نظارے آپ لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ اس دورے کے تمام اخراجات میرے ملک کے ذمے ہوں گے، ہوائی



اڈے پر ملک کے اہم لوگ آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ مجھے امید ہے، آپ میری پیش کش کو قبول کریں گے اور فوری طور پر اپنے آنے کی اطلاع دیں گے، تاکہ یہاں آپ کے استقبال کی تیاری کی جا سکے۔

نیچے شاہی مہر لگی تھی اور اس پر صدر صاحب کے دستخط تھے۔ پورا خط پڑھنے کے بعد انہوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف اور پھر اپنے ابا جان کی طرف دیکھا۔

"تو پھر... آپ نے کیا پروگرام بنایا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"پروگرام کیا بنانا ہے، جائیں گے۔" وہ مسکرائے۔

"بھئی واہ ـــ یہ تو ہمارے لیے بڑی خوشی کی خبر ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کون سی خبر خوشی کی ہے؟" بیگم جمشید نے باورچی خانے سے نکل کر برآمدے کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"امی جان! ہم ایک دوست ملک کی سیر کے لیے جا رہے ہیں۔" محمود چہکا۔

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ حکومت کو بھی ایک چٹھی موصول ہوئی ہے اور اس خط میں دونوں ملکوں کی دوستی کے نام پر یہ درخواست کی گئی ہے کہ اگر ہم کسی وجہ سے سیر کا پروگرام نہ بنائیں تو حکومت ہم پر زور دے کر وہاں بھیج دے۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"لیکن ابا جان! اس کی کیا ضرورت تھی. آخر ہم اس شاندار پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیتے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"مصروفیات کی وجہ سے یہ ناممکن تو نہیں تھا؟" انھوں نے کہا۔

"تو کیا حکومت نے بھی آپ پر دباؤ ڈالا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! آئی جی صاحب کو صدارتی نوٹ موصول ہوا ہے جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ ہم دوست ملک کی سیر کے لیے ضرور جائیں۔" انھوں نے بتایا۔

"کمال ہے۔ صرف سیر کے لیے اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی؟" فرزانہ کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"تو تم کیوں اپنے دماغ کو گھما پھرا رہی ہو؟" فاروق نے کہا۔

"مجھے یہ بات عجیب سی لگی ہے۔" فرزانہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"محمود! کہیں تمھیں عجیب تو نہیں لگی؟"

"بیگم تیاری کر لو۔ اس سفر پر تم بھی ہمارے ساتھ ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے محمود کی بات پر مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھلا میں جا کر کیا کروں گی؟"

"ہمارا دوست ملک مسلمان نہیں ہے، نہ جانے وہ لوگ کیا کچھ کھاتے ہوں گے، تم ساتھ ہو گی تو کھانے کے لیے مطلب کی چیزیں تو مل جائیں گی۔"



"اگر یہ بات ہے تو میں ضرور چلوں گی۔"

"ابا جان مجھے الجھن محسوس ہو رہی ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"لو یار! فرزانہ تو گئی کام سے۔" محمود نے کہا۔ "ابھی ہم اس ملک پہنچے نہیں اور اسے الجھن شروع ہو گئی۔ ایسے میں ہم کیا خاک سیر کریں گے۔"

"بھئی سچ بات تو یہ ہے کہ..." انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔

"آپ رک کیوں گئے؟" فرزانہ نے بے تابی کے عالم میں کہا۔

"سچ بات تو یہ ہے کہ خود میں بھی الجھن محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا!!" محمود اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! خط کے الفاظ پر غور کرو، تم بھی الجھن محسوس کرنے لگو گے۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان! ہمیں الجھن محسوس کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

اس بات پر سب کو ہنسی آ گئی۔ انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا:

"انسان اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہے، اگر اسے کسی معاملے میں الجھن محسوس ہوتی ہے تو وہ خود کو اس سے باز نہیں رکھ سکتا، خط کے الفاظ دوبارہ بلکہ سہ بارہ پڑھو، ایک ایک لفظ پر غور کرو، تم مجھ سے زیادہ الجھن محسوس کرنے لگو گے۔" انھوں نے کہا۔

وہ ان کی بات سن کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے، کیونکہ ابھی چند لمحے پہلے انہوں نے خط کے ایک ایک لفظ کو پڑھا تھا، لیکن ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔ آخر وہ ایک بار پھر خط پر جھک گئے اور غور سے پڑھنے لگے۔ پوری عبارت پڑھنے کے بعد انہوں نے سر اوپر اُٹھایا تو فاروق کی پیشانی پر لکیریں پڑ چکی تھیں، اس نے کہا،

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اُلجھن محسوس کرنے لگا ہوں، لیکن اس اُلجھن نے کوئی واضح صورت اختیار نہیں کی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" محمود بولا۔

"سنو! فرزانہ نے پرجوش لہجے میں کہا، خط کا یہ جملہ قابلِ غور ہے۔ اگرچہ ان دنوں ملک کا موسم خوش گوار نہیں ہے۔ کیا سارے ملک میں ایک جیسا ہی موسم ہوتا ہے اور پھر 'ان دنوں' کے لفظ کیوں استعمال کیے گئے ہیں۔ موسم کے لیے آج کل استعمال کیا جاتا ہے۔ آخر میں یہ اُمید ظاہر کی گئی ہے کہ فوری طور پر آنے کی کوشش کریں گے۔ اگر معاملہ صرف سیر کا ہے تو پھر ہم کچھ دن بعد بھی روانہ ہو جاتے تو کیا فرق پڑ جاتا؟" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہ کہ ان دنوں ہمارے دوست ملک کے حالات خراب ہیں اور صدر صاحب بہت پریشان ہیں، ہو سکتا ہے کچھ لوگ ان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش میں مصروف ہوں اور انہوں نے یہی



سوچ کر ہمیں بلایا ہو اور سیر کا صرف بہانا ہو۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ دونوں نے جلدی سے اپنے ابا جان کی طرف دیکھا۔

اُن کے چہرے پر ایک فکر مند سی مسکراہٹ تھی اور یہ مسکراہٹ ان سے کہہ رہی تھی کہ فرزانہ کا خیال بالکل ٹھیک ہے اور وہ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔

○

ان کا جہاز دوست ملک بینیا کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ جہاز کی سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا، آسمان صاف تھا اور سورج پوری طرح چمک رہا تھا۔ شمال میں انہیں بلند و بالا اور سرسبز پہاڑ نظر آئے۔

"دارالحکومت تو بہت خوب صورت ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"لیکن ہمارے لیے یہاں کیا خوب صورتی رہ گئی ہے۔ اگر ہم صرف سیر کرنے آئے ہوتے تو ضرور ان نظاروں میں گم ہو جاتا۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس صورت میں بھی کوئی چکر چل جاتا اور ایک عدد کیس ہمیں اُلجھا لیتا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا ہم اسی کام کے لیے رہ گئے ہیں، کیا ہماری ساری زندگی اسی

طرح گزرے گی۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"دوست ملک کی سرزمین پر اترتے ہی تمہیں مرچیں کیوں لگنے لگیں، موسم تو بہت خوش گوار ہے، سردیوں کی دھوپ کتنی اچھی لگ رہی ہے۔" محمود نے کہا۔

"لگ رہی ہوگی تمہیں ہی۔"

"اگر تم اتنے ہی گھبرا گئے ہو تو بھائی واپس چلے جاؤ، ابھی تو جہاز ایئر پورٹ پر ہی کھڑا ہے۔" محمود نے بے بسی کے انداز میں اس طرح کہا جیسے جہاز فوراً ان کے ملک ہی تو لوٹنے والا تھا۔

"مجھے غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو، ورنہ میں سچ مچ چلا جاؤں گا۔"

"تو میں نے کب تمہیں جھوٹ موٹ چلا جانے کے لیے کہا ہے، میں جانتا ہوں، تمہیں جھوٹ موٹ کہیں جانے کی عادت نہیں؟" محمود شریر انداز میں مسکرایا۔

"آج تو تم فاروق کو بھی کاٹ رہے ہو۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"یہ جو ہر روز ہمارے کان کاٹتا بلکہ کھاتا رہتا ہے، دیکھو تو کیا حال بنا دیا ہے ہمارے کانوں کا۔" محمود کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

"سچ مچ ـــــ تم دونوں یہ گئے گزرے کان لے کر دوست ملک میں آ گئے، یہاں کے لوگ یعنی ہمارے میزبان کیا خیال کریں گے۔ کم از کم اپنے کانوں کی آتے ہوئے مرمت ہی کرا لیتے، یا ان کی پلاسٹک سرجری ہی کرا لیتے۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔



"اب آیا ہے فاروق اپنے اصل رنگ میں۔" بیگم جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن افسوس! اس کے ساتھ ہی ہم ایئر پورٹ سے باہر نکل رہے ہیں اور یہاں میزبان ہمیں اچک لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے چونک کر دیکھا، تین سادہ لباس والے آدمی ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوش گوار مسکراہٹیں تھیں۔ تینوں سیاہ فام تھے۔

"ہم اپنے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے انگریزی میں کہا۔

"ہم صدر کے مشیر ہیں اور ان کی ہدایت پر آپ کو لینے آئے ہیں۔" دوسرے نے کہا

"ہمارے نام مبوتارا کا، تق لین اور شوشا ہیں۔" تیسرے نے تعارف مکمل کرایا۔

"بہت خوب! ہم آپ لوگوں کے شکر گزار ہیں کہ ہمارے لیے اتنی زحمت کی، مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں، یہ بیگم جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

تعارف کے بعد وہ انہیں ایک نیلے رنگ کی لمبی سی کار کی طرف لے آئے۔ باوردی ڈرائیور اٹینشن حالت میں کار کے پاس کھڑا تھا۔ جونہی وہ قریب آئے، اس نے باادب انداز میں کار کا پچھلا دروازہ

کھول دیا۔ انسپکٹر جمشید نے بیگم اور بچوں کو اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئے تو خود بھی آگے بڑھے... اور پھر سب حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا، اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ سبھی بوکھلا گئے۔

ہوا یہ تھا کہ جونہی انسپکٹر جمشید کار میں بیٹھنے کے لیے آگے بڑھے، انھوں نے ایک مکا پوری طاقت سے ڈرائیور کی ناک پر دے مارا۔



# دھماکا ہو گیا

ان کے گرد بھیڑ لگ گئی۔ تینوں مشیر ابھی تک سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ خود کار کے اندر بیٹھے بیگم جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ ڈرائیور ہوائی اڈے کے پختہ فرش پر بالکل بے سدھ پڑا تھا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

وہ اس ملک میں مہمان تھے، ابھی ابھی جہاز سے اترے تھے اور میزبانوں کی کار میں بیٹھ رہے تھے کہ کار کے ڈرائیور کو انسپکٹر جمشید نے مکا رسید کر دیا، یہ کچھ کم حیرت انگیز واقعہ نہیں تھا اور پھر ہوائی اڈے پر متعین دو پولیس والے مجمعے کی طرف بڑھے، بھیڑ چیر کر وہ ان تک آ گئے، انھوں نے نیچے پڑے ڈرائیور کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر مشیروں کی طرف مڑے،

"کیا بات ہے۔ یہ کیسا ہنگامہ ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ڈرائیور پر کس نے حملہ کیا ہے؟" دوسرا بولا۔

سیاہ فام شوٹا نے اپنی آستین اُلٹ کر پولیس والوں کے سامنے کر دی، وہ خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹے... شوٹا نے انھیں اشارہ

کیا کہ وہ زخمی کو گرفتار کریں، لیکن انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! اسے بھی کار میں سوار کرا لیجیے۔ یہ ہمارے ساتھ جائے گا، آپ میں سے ایک ڈرائیو کریں تو بہتر رہے گا۔"

"بہت اچھا!" یہ کہہ کر شوشا نے دونوں پولیس مینوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے زخمی کو دونوں سیٹوں کے درمیانی جگہ میں ڈال دیا۔ سیلونارا کا نے انسپکٹر جمشید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بچوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ تینوں منیجر اگلی سیٹ پر بیٹھے۔ سیلونارا کا نے کار سٹارٹ کی اور لوگوں کو ہکا بکا چھوڑ کر کار آگے بڑھ گئی۔

"آپ لوگ حیران تو بہت ہوں گے اور مجھ سے کئی سوال کرنا چاہتے ہوں گے، شاید آپ کو میرا یہ فعل بہت ناگوار بھی گزرا ہو گا، لیکن کیا کیا جائے، مجبوری تھی، اگر میں ایسا نہ کرتا تو کار میں سوار ہونے کے بعد ضرور ہم پریشانی میں گھر جاتے۔"

"ہمیں آپ کے بارے میں بہت ہی خاص قسم کی ہدایات موصول ہوئی ہیں۔ صدرِ مملکت نے خاص طور پر یہ فرمایا تھا کہ آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔ اب اس وقت اگرچہ ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم آپ کو صدر صاحب کی خدمت میں لے چلیں، لیکن اگر آپ ہمیں کسی اور جگہ کا حکم دیں گے تو ہم وہاں کے لیے چل پڑیں گے اور صدر صاحب سے جا کر عرض کر دیں گے کہ آپ لوگوں کو آپ کی خواہش کے مطابق فلاں جگہ پہنچا دیا گیا ہے، ان حالات میں ہم اس پر کیسے اعتراض کر سکتے ہیں کہ آپ نے ڈرائیور کے ساتھ ٹوک کیوں کیا ہے۔ البتہ ہمیں حیرت ضرور ہوئی ہے، کیونکہ یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ ہمارے فرشتے بھی حیران رہ گئے ہوں گے۔"

"خیر! میں آپ لوگوں کی حیرت رفع کیے دیتا ہوں۔ پہلے آپ یہ بتائیے، یہ ڈرائیور کتنے عرصے کا ملازم ہے، اس کا نام کیا ہے؟"

"اس کا نام سجاڈیل ہے، بہت پرانا ملازم ہے اور قابل اعتماد بھی، اس کی وفاداری میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔"

"اور شاید اسی لیے آپ حیران ہیں، کیونکہ سجاڈیل پر تو آپ شک کر ہی نہیں سکتے... اچھا یہ بتائیے، کیا اسے اسلحہ ساتھ رکھنے کی اجازت ہے؟"

"جی نہیں! بھلا اسے اسلحے کی کیا ضرورت؟"

"بس تو ٹھیک ہے۔ مسٹر سیلونا آپ کار چلاتے رہیے اور آپ دونوں پیچھے دیکھیے، میں سجاڈیل کو مسلح ثابت کر دیتا ہوں۔"

تن تین اور شوشا چونک کر مڑے۔ ان کے سامنے انسپکٹر جمشید نے سجاڈیل کی وردی کے اندر ہاتھ ڈالا اور جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک چمک دار ریوالور تھا جس کے چیمبر میں سات گولیاں تھیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ سیلونارا کا نے بھی بیک ویو آئینے میں پستول کو دیکھ لیا تھا۔

"جی نہیں، اگر آپ نہیں تو میں اس کے پاس سے ایک خنجر اور ایک دستی بم بھی، برآمد کر سکتا ہوں۔"

"کیا!!" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! یہ دیکھیے!"

یہ کہہ کر انہوں نے اس کی پتلون کا پائنچہ الٹ دیا، پلاسٹک کی ایک پٹی میں ایک چمک دار خنجر اڑسا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے کار کی چابیاں وغیرہ رکھنے کا خانہ کھول ڈالا۔ انہوں نے دیکھا، اس میں ایک کبوتری شکل کا ننھا سا دستی بم رکھا تھا۔ بم کی ساخت کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ انتہائی خطرناک تھا، ان کے ملک میں کئی بار استعمال کیا جا چکا تھا۔ اور بہت نقصان پہنچا تھا۔

"اف اللہ... تو... سجاول بھی..." سبوتارا کا کے منہ سے نکلا۔

"نہیں... یہ سجاول نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! یہ جو کوئی بھی ہے، اس نے سجاول کی جگہ لی ہے، سجاول بے چارہ تو شاید موت کے گھاٹ اتارا جا چکا ہے۔"

"اوہ!" ان کی آنکھیں مارے حیرت کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سجاول نہیں ہے۔"

انسپکٹر جمشید اس کے چہرے پر جھکے اور کان کے پاس ہاتھ ڈال



دیا، ان کا ہاتھ اوپر اٹھا تو اس میں ایک جھلی تھی، رہی سہی اور سجاول کی بجائے وہاں ایک خوفناک صورت والا آدمی پڑا تھا۔

○

کار میں سناٹا چھا گیا۔ صرف انجن کی ہلکی سی آواز آتی رہی۔ پھر تن مین کی آواز ابھری:

"کیا آپ خط پڑھ کر ہی اندازہ لگا چکے تھے کہ آپ کو یہاں کس مقصد کے تحت بلایا جا رہا ہے؟"

"سو فیصد اندازہ لگا چکے تھے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ صدر صاحب نے نہایت مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے، ورنہ جب انہوں نے یہ تجویز ہمارے سامنے رکھی تھی، ہم نے اسے پسند نہیں کیا تھا اور جب انہوں نے ہماری پسند اور ناپسند کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ لوگوں کو تار دینے کے احکام صادر کیے تھے تو اس وقت ہم یہ سوچ رہے تھے کہ شاید ہمارے صدر صاحب بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکے ہیں، لیکن اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ بوکھلائے ہوئے ہرگز نہیں تھے، بلکہ انہوں نے بالکل صحیح اور بر وقت فیصلہ کیا تھا۔ خدا کی پناہ... کار کی ڈرائیونگ، ایک غدار کے ہاتھ میں تھی، کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ اس کا کیا پروگرام تھا؟"

"اس کا نہیں۔ ان کا ظاہر ہے کہ پروگرام اس نے نہیں بنایا تھا،
بلکہ ان کے سرغنہ نے بنایا تھا۔ یہ تو پروگرام پر عمل کرنے والا تھا۔
پہلے سبھا ڈیل کو اغوا کیا گیا، اس کی جگہ اس شخص کے چہرے
سبھا ڈیل کا میک اپ پہلے ہی کیا جا چکا تھا، جونہی اسے اغوا
کیا گیا، اس کی جگہ اس نے لے لی... پروگرام صرف یہ تھا کہ
راستے میں کسی بار کار کو کسی خرابی کے بہانے روک لیا جائے اور
پھر اس میں دستی بم دے مارا جائے۔"

"کیا!!" تینوں مشیر ایک ساتھ چلائے۔ ان کے چہرے دھواں
ہو گئے۔

"اور اب... سب سے اہم سوال یہ ہے کہ ہمیں یہاں بلانے
کے بارے میں کس کس کو معلوم ہے؟"

"ہم تینوں اور صدر صاحب کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔" بسوتارا کا
نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، سازشیوں کو کسی نہ کسی طرح تو ضرور معلوم
ہوا ہو گا کہ ہمیں بلایا جا رہا ہے۔ خیر... یہ تو وہاں چل کر ہی معلوم
ہو گا۔ اتنا ضرور مجھے بتا دیں کہ واقعات کی ابتدا کہاں سے ہوئی
تھی۔ میرا مطلب ہے، سب سے پہلے یہ کیسے شک ہوا کہ صدر
کے خلاف سازش کی جا رہی ہے؟" انھوں نے کہا۔

"یہ آج سے دو ماہ پہلے کی بات ہے۔" بسوتارا کا نے کہنا



شروع کیا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اوہ!" ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"کیا ہوا جناب! آپ کو کس بات پر حیرت ہوئی ہے، کیا صرف
اتنی سی بات پر کہ یہ آج سے دو ماہ پہلے کی بات ہے؟"

"ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا،
ساتھ ہی انھوں نے سرد آواز میں کہا:

"خبردار! آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، البتہ بیک ویو
آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔"

انھوں نے دیکھا، ان کی کار کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کی کار
تیزی سے آ رہی تھی۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ کار ہمارا تعاقب کر رہی ہے؟"

"ہاں! میں اسے ایئرپورٹ سے ہی اپنے پیچھے دیکھ رہا ہوں،
بلکہ ایئرپورٹ سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے اس کار کو دیکھ
لیا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کی نگاہیں برابر ہمارا
تعاقب کر رہی تھیں، ادھر ہماری کار سٹارٹ ہوئی، اُدھر اس
نے کار سڑک پر ڈال دی اور ہم سے آگے نکل گیا، لیکن چونکہ
رفتار آہستہ رکھی، اس لیے ہم جلد ہی اس سے آگے نکل گئے۔"
انھوں نے بتایا۔

"اور اس کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی

ہے کہ اب وہ آگے نکلنے کی کوشش میں ہے، اس کا ارادہ کیا ہے، یہ میں نہیں کہہ سکتا، تاہم ارادہ نیک ہرگز نہیں ہے۔" محمود نے پہلی مرتبہ گفتگو میں دخل دیا۔

"تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے محمود۔"

"تو پھر کیا کیا جائے؟" سبوتا راکا نے بوکھلا کر کہا۔

"کار کی رفتار انتہائی تیز کر دیں، کیا آگے کوئی موڑ آنے والا ہے؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! چند سیکنڈ بعد ہی موڑ آ رہا ہے۔"

"تو پھر کار موڑتے ہی ایک طرف کر کے کھڑی کر دیجیے اور کار سے فوراً چھلانگ لگا دیں۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" سبوتا راکا نے انسپکٹر جمشید سے سوال کیا، شاید اس کے لیے ایک لڑکے کی تجویز پر عمل کرنا عجیب سا اقدام تھا۔

"محمود کا مشورہ ٹھیک ہے، کیونکہ ہم نے یہ دیکھا تو آگے چل کر کار کو خود آہستہ کرنا پڑ جائے گا، کیونکہ سڑک پر آگے ایک ٹرک ابھی ابھی نظر آیا ہے اور یہ تھوڑی دیر پہلے ہی ٹریفک میں شامل ہوا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ٹرک آگے سے ہمارا راستہ روکے گا، اتنی دیر میں سیاہ رنگ کی کار آ جائے گی۔"

"لیکن اس کار میں صرف ایک آدمی ہے، آپ کا کہنا یہی ہے کہ اس میں ایک آدمی موجود تھا، آخر اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت



ہے؟" تن لین نے اعتراض کیا۔

"اس کے پاس کوئی دستی بم بھی ہو سکتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے، ٹرک پر سے حملہ کر دیا جائے۔"

"تو پھر میں کار موڑتے ہی روک دوں گا، سب لوگ سڑک سے نیچے چھلانگیں دیں۔" سبوتا راکا نے کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" شوشا نے گھبرا کر کہا۔

اتنے میں موڑ آ گیا... کار مڑی، بریک پُر شور آواز میں چرچرائے ساتھ ہی انہوں نے دروازے کھولے اور بائیں طرف کود گئے، وہ نہ صرف کود گئے، بلکہ کودتے ہوئے لڑھکتے بھی چلے گئے۔

عین اسی وقت ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا۔

---

# شومٹا کی لاش

دھماکے کے ساتھ ہی کار کے پرخچے اُڑ گئے اور چاروں طرف
منتشر ہو گئے۔ سڑک پر اب کار نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دوسری کار
آگے نکلتی چلی گئی، پھر کچھ دُور جا کر رک گئی اور اس میں سے چار
آدمی فائرنگ کرتے ہوئے اس طرف بڑھے جس طرف وہ لڑھک
رہے تھے۔ نہ صرف یہ چار آدمی، بلکہ ٹرک سے بھی بیس پچیس کے
قریب آدمی چھلانگیں لگاتے نظر آئے، وہ بھی آگے جا کر رک گیا
تھا۔ ان لوگوں نے سروں پر ہیٹ اوڑھ رکھے تھے جو چہروں پر جھکے
ہوئے تھے تاکہ انھیں پہچانا نہ جا سکے۔

اور اس وقت انھیں محسوس ہوا، وہ خطرے میں گھر گئے تھے،
تاہم اگر وہ چند منٹ تک دشمنوں کی گولیوں سے بچے رہے تو
انھیں بھاگنے ہی نہیں، کیونکہ اس دوران پولیس اور فوج اس
علاقے کو گھیرے میں لے لیتی، لیکن خوفناک سوال تو یہ تھا کہ چند
منٹ تک کس طرح بچیں۔ ابھی تو چار آدمی فائرنگ کر رہے
تھے، صرف چند سیکنڈ بعد ان کے ساتھ پچیس آدمی اور شامل



نے والے تھے۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ
کر جس قدر تیزی سے ممکن ہو، لڑھکتے ہوئے اس کھیت
جا گھسیں جو سڑک سے چند گز دُور تھا۔ انھوں نے کیا بھی یہی
ن یہ کوئی ضروری نہیں تھا کہ کھیت میں گھس جانے کے بعد
ن کی گولی ان میں سے کسی کے نہ لگے۔ ظاہر ہے انسپکٹر جمشید
سب سے زیادہ فکر بیگم جمشید کا تھا، وہ ان کے ساتھ لڑھک تو
ور گئی تھیں، لیکن نہ جانے اب کہاں تھیں، تاہم وہ کر بھی کیا
تے تھے۔

آواز نکالے بغیر مختلف سمتوں میں کھیت کے اندر ہی اندر
ھتے چلے جائیں اور جوابی فائرنگ شروع کر دیں۔" انسپکٹر جمشید
عزا کر کہا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کے پاس تو پستول بھی نہیں تھے،
ں نے لڑھکنے کا کام جاری رکھا، انسپکٹر جمشید اور تینوں مشیر
ی دیر میں فائرنگ شروع کر چکے تھے۔ یہ دیکھ کر دشمن بھی
یشن لے کر آگے بڑھنے پر مجبور ہو گئے، البتہ ان کی وحشیانہ
رنگ میں تیزی آ گئی۔ ٹرک والے بھی اب ان کے ساتھ شامل
ہو چکے تھے، تاہم انسپکٹر جمشید کی پارٹی کا پلہ بھاری تھا،
ونکہ وہ فصل میں سے دشمنوں کو دیکھ سکتے تھے، جب کہ دشمن
ا لیے بغیر فائرنگ کرنے پر مجبور تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ

اس وقت تک دشمن کے کم از کم پانچ آدمی کام آ چکے تھے ا
پھر کھیتوں میں سے بھی ایک دل دوز چیخ گونجی . وہ چونک اٹھے .
کے دل دھک دھک کرنے لگے ، نہ جانے ان میں کون گولی کا نشانہ بن
تھا... وقت ایسا نہیں تھا کہ یہ دیکھا جا سکتا ، کون ہلاک یا ز
ہوا ہے .

"یار فاروق ! یہ آواز ابا جان کی تو ہرگز نہیں ہو سکتی ." محمود
ایک طرف منہ کر کے کہا ، اس کا خیال تھا کہ اس سے نزدیک
رینگنے والا فاروق ہے . کار سے چھلانگ لگاتے ہی وہ ساتھ
رینگتے ہوئے کھیت میں گھسے تھے اور پھر اپنے ابا جان کی ہدایت
ایک دوسرے سے الگ ہونے شروع ہو گئے تھے ، لیکن درمیانی
فاصلہ ابھی اتنا نہیں بڑھا تھا کہ اس کی آواز وہاں تک نہ جاتی لیکن
وہ اس وقت حیرت زدہ رہ گیا جب فاروق کی بجائے فرزانہ کی
سرگوشی سنائی دی .

"میں فاروق نہیں ہوں ."

"ارے تو فاروق کہاں گیا ." محمود نے گھبرا کر کہا .

"میں وہاں ہوں جہاں سے مجھے بھی اپنی خبر نہیں آتی ." فاروق شعر
پڑھنے کے انداز میں گنگنایا پھر بولا .

"تمہارا خیال ٹھیک ہے ، آواز ابا جان کی نہیں تھی ."

"تو اس کا مطلب ہے ، تین مشیروں میں سے ایک چل بسا ." فرزا



کے منہ سے حسرت زدہ لہجے میں نکلا .

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے ." محمود نے کہا .

"لیکن وہ کون سا مشیر ہو سکتا ہے ." فاروق نے سوال کیا .

"کوئی بھی ہو ، ہمارے لیے تو تینوں برابر تھے ."

"خاموش ہو ، اگر تمہاری سرگوشی کی آواز دشمن تک پہنچ گئی تو
گولی فوراً ادھر آئے گی ." انہوں نے انسپکٹر جمشید کی سرگوشی سنی .
اس کا مطلب تھا ، وہ ان کے نزدیک ہی تھے .

"ابا جان ! آپ کہاں ہیں ." فرزانہ نے بے ساختہ پوچھا .

"یہ تم خاموش ہوتی ہو ." انسپکٹر جمشید کا لہجہ ناخوش گوار تھا . انہیں
سانپ سونگھ گیا .

فائرنگ میں اب بلا کی تیزی آ گئی تھی . شاید حملہ آور جانتے تھے
کہ انہیں بہت جلد فرار ہونا پڑے گا . کار کے دھماکے سے اٹھنے
اور فائرنگ کی خبر نزدیکی پولیس اسٹیشن تک پہنچنے میں دیر نہیں
لگ سکتی تھی اور ہوا بھی یہی ، صرف تین منٹ بعد کان پھاڑ دینے
والے سائرن کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی ، حملہ آور سراسیمہ
ہو کر ٹرک کی طرف پلٹے اور پھر دوڑ پڑے . ایسے میں بھی انہوں
نے پیچھے مڑ مڑ کر فائرنگ جاری رکھی . انسپکٹر جمشید نے بھاگتے ہوئے
حملہ آوروں پر تاک تاک کر نشانے لگائے اور ان کے چار اور ساتھیوں
کو لے بیٹھے ... اتنی دیر میں وہ کار اور ٹرک میں سوار ہو چکے تھے .

ادھر وہ ہوا ہوئے، ادھر پولیس کی گاڑیاں وہاں آکر رکیں:
"رکنے کی ضرورت نہیں، حملہ آور اس طرف گئے ہیں، ان
گرفتاری زیادہ ضروری ہے۔" انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔
پولیس آفیسروں نے پریشان ہو کر کھیتوں کی طرف دیکھا،
نہیں معلوم تھا کہ معاملہ کیا ہے، کار کے پرخچے کس نے اڑا
اور یہ کہ کار کس کی تھی۔ انہیں تو کسی نے فون پر اطلاع د
فلاں سڑک پر ہنگامہ ہو گیا ہے، آخر دو پولیس گاڑیاں آگے
ہو گئیں اور ایک وہیں ٹھہری رہی۔
انسپکٹر جمشید کھیت میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے، انہوں نے
بلند آواز میں کہا:
"اب آپ لوگ بھی اٹھ سکتے ہیں۔"
انہوں نے پہلے سلوتا راکا اور پھر تن لین اور بیگم کے سر ابھرتے د
اتنی دیر میں محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اٹھ چکے تھے، لیکن شو
سر انہیں ابھرتا دکھائی نہ دیا۔ فوراً ہی سلوتا راکا گھٹے گھٹے اند
چلایا:
"شومٹا... میرے دوست تم کہاں ہو؟"
اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔ شومٹا کی طرف سے کوئی جو
نہ ملا۔ پولیس والے اتنے میں نزدیک آگئے، جونہی ان کی نظریں
سلوتا راکا اور تن لین پر پڑیں، وہ چونک اٹھے۔ اٹنشن ہو گئے



سلوتا راکا نے انہیں جلدی جلدی ساری بات بتائی۔ پولیس پارٹی کھیتوں
میں گھسنے لگی تو انسپکٹر جمشید چلائے:
"ٹھہریے... آپ کو مسٹر شومٹا جہاں اور جس حالت میں نظر
آئیں، انہیں اسی حالت میں رہنے دیں اور ہمیں آواز دے لیں،
لاش کا معائنہ کیے بغیر اسے وہاں سے نہیں اٹھایا جائے گا۔"
پولیس افسر نے سوالیہ نظروں سے سلوتا راکا اور تن لین کی طرف
دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو، کیا ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔
"جو یہ کہہ رہے ہیں، وہی کرو۔" سلوتا راکا نے بیٹھی ہوئی آواز
میں کہا۔ ہوائیاں تن لین کے چہرے پر بھی اڑ رہی تھیں۔ شاید وہ سوچ
رہا تھا کہ گولی جو شومٹا کے لگی، اس کے بھی تو لگ سکتی تھی۔
وہ ایک جگہ جمع ہو گئے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے، کھیت کی
طرف دیکھنے لگے، چند سیکنڈ بعد جہاں سے یہ اعلان ہونے والا تھا کہ
شومٹا کی لاش یہاں موجود ہے، شومٹا جو ابھی چند منٹ پہلے زندہ
سلامت موجود تھا، ان کے ساتھ کار میں بیٹھا تھا اور جس سے وہ
ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی متعارف ہوئے تھے۔
"یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ہم اپنے معزز مہمان
کو پریشانیوں میں مبتلا کیے بغیر صدر صاحب تک نہ پہنچا سکے۔"
تن لین بڑبڑایا۔
"اس میں آپ لوگوں کا کیا قصور ہے؟" انسپکٹر جمشید غمگین انداز

ہیں مسکرائے: "خود مجھے یہ افسوس ہے کہ آپ لوگ اپنے بہترین ساتھی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔"

"ابا جان! ابھی یہ کیسے کہا جا سکتا ہے شاید مسٹر شوشا صرف زخمی ہوئے ہوں۔"

"نہیں بیٹا! وہ چیخ ان کی آخری چیخ تھی۔ زخمی کی چیخ اور مرنے والے کی چیخ میں فرق ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اسی وقت ایک پولیس والا چیخا۔ ان کا افسر اس طرف جھپٹا اور پھر اس نے ان لوگوں کو اس طرف بلانے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے، قریب پہنچ کر وہ ٹھٹھک کر رک گئے۔

شوشا کی لاش ان کے سامنے پڑی تھی۔

○

گولی اس کے سر میں لگی تھی اور بھیجے کے اندر گھس گئی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے جھک کر دیکھا، لاش کی آنکھیں پوری کھلی ہوئی تھیں، لیکن وہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کی آنکھوں میں خوف، دہشت اور اذیت کی بجائے صرف حیرت تھی اور یہ حیرت مرنے کے بعد اب تک موجود تھی۔ شاید اسے اپنی اچانک موت پر حیرت ہوئی ہوگی۔ اس نے نہ جانے زندگی کے کیا کیا پروگرام بنا رکھے ہوں گے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ وہ اس طرح اچانک ایک کھیت میں گولی



کا لقمہ بن جائے گا۔

"بے چارے کو صرف حیران ہونے کا موقع مل سکا تھا اور دہشت سے پہلے ہی دم توڑ گیا۔" انسپکٹر جمشید نے افسوس زدہ لہجے میں کہا، پھر وہ سیدھے ہوتے ہوئے ان تینوں کی طرف مڑے:

"تم تینوں بھی لاش کو بغور دیکھ لو۔ مسٹر شوشا ٹھیک رہے تھے انہوں نے ٹھیک ٹھیک ایک آدھ فائر بھی دشمنوں کی طرف کیا ہوگا اور شاید ان کی چلائی ہوئی گولی سے ہی دشمن کو ان کی کھیت میں اس جگہ موجودگی کا پتا دیا، انہوں نے فائرنگ کر دی اور ایک گولی ان کے سر میں لگ گئی۔"

وہ لاش کا جائزہ لینے لگے۔ مسٹر شوشا کے دائیں ہاتھ میں اب تک پستول تھا اور دونوں ہاتھ سر کو تھامے ہوئے تھے۔ گولی لگتے ہی ان کے ہاتھ بے اختیار سر کی طرف اٹھے ہوں گے، لیکن دایاں ہاتھ گولی کے سوراخ پر نہیں تھا۔ اس سے ایک انچ ہٹ کر تھا... اس لیے وہ سوراخ کو صاف دیکھ سکتے تھے۔ اس سے خون ابل ابل کر آس پاس پھیل گیا تھا اور لاش کا ایک پہلو خون سے لتھڑ چکا تھا۔

چند منٹ تک بغور معائنہ کرنے کے بعد وہ بھی سیدھے ہو گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید پولیس افسر سے مخاطب ہوئے:

"میں چاہتا ہوں، لاش کا نہایت احتیاط سے پوسٹ مارٹم کیا جائے

گولی جیب میں سے نکا لنے اور معائنے کے بعد مجھے بھیج دی جائے۔

"بہت بہتر!" اس نے کہا

"اب آپ لاش لے جا سکتے ہیں، اپنے لیے آپ کو دوسری گاڑی منگوانا ہو گی، کیونکہ ہماری کار کا تو نام و نشان تک نہیں بچا۔ ہم آپ کی جیپ میں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے سر!" اس نے باادب لہجے میں کہا۔

اور جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے جب انھوں نے اپنے حلیوں کا جائزہ لیا تو پتا چلا ان کے جسم پورے کے پورے کیچڑ میں لت پت ہو چکے تھے، کپڑوں کا ستیاناس ہو چکا تھا اور وہ بھوت نظر آ رہے تھے بھوت نظر آنے کی تصدیق اس طرح بھی ہوئی کہ سڑک پر سے اسی وقت ایک عورت اپنے چھوٹے سے بچے کی انگلی پکڑے گزر رہی تھی، بچے کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

"مم... بھبھوت!"

اس غمگین صورتِ حال میں بھی انہیں ہنسی آ گئی... پھر وہ جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"ابھی خود کو محفوظ خیال نہ کیجیے گا، راستے میں ہم کسی اور حادثے سے بھی دو چار ہو سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، اور وہ چونک اُٹھے، تن لین نے فوراً اپنا پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ انسپکٹر جمشید نے بھی یہی کیا۔ تاہم سبوتا راکا جیپ ڈرائیو کر رہا تھا، اس کے لیے



پستول نکالنا ممکن نہ تھا۔

لیکن اس مرتبہ کچھ نہ ہوا اور وہ بخیریت ایوانِ صدر پہنچ گئے۔ مہمان صدر بے تابی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک خوب صورت نوجوان بھی ٹہل رہا تھا۔

"ارے!" نوجوان کے منہ سے نکلا، اس کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ صدرِ مملکت نے بھی اس کی آواز پر چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور بھونچکے رہ گئے۔

سبوتا راکا، تن لین، انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ، تینوں بچے عجیب و غریب حلیے میں ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

---

# شہزادہ گرتا ہے

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... مہمانوں کو لانے کا کون سا طریقہ ہے؟" صدر نے جھلا کر کہا۔

"اس میں ان کا قصور نہیں، یہ سب کیا دھرا تو سازشیوں کا ہے" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

پھر سب نے آپس میں ہاتھ ملائے۔ صدر نے اپنے ساتھ ٹہلنے والے نوجوان کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

"یہ میرے بیٹے شہزادہ قومان ہیں، حکومتی کاموں میں میرے سب سے بڑے معاون، لیکن انہیں آپ لوگوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، میں نے اپنے مشیروں کے سوا کسی کو کچھ نہیں بتایا، لیکن یہ باتیں تو پھر بھی ہوتی رہیں گی، پہلے آپ لوگ غسل کر لیں۔"

فوراً ہی ان کے غسل کا بندوبست کیا گیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ اپنے میزبان کے ساتھ چائے پی رہے تھے۔ میز پر سوناراکا، تن لین اور شہزادہ قومان بھی تھے۔ چائے کے دوران صدر صاحب نے انہیں بتانا



شروع کیا۔

"جب سے میں آپ کے ملک سے ہو کر آیا ہوں، پریشانیوں میں گھر کر رہ گیا ہوں۔ آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ کچھ لوگ میری جان لینا چاہتے ہیں اور شاید اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ میں آپ کے ملک کے ساتھ کچھ تجارتی اور دفاعی معاہدے کر کے آیا ہوں... ہو سکتا ہے، کسی بڑے ملک کو یہ معاہدے ایک آنکھ نہ بھائے ہوں اور انہوں نے میرے خلاف سازش تیار کی ہو۔ زیادہ امکان اسی بات کا نظر آتا ہے، لیکن چونکہ میرے ملک کی فوج اور عوام پوری طرح میرے ساتھ ہے، مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان سے محبت کرتا ہوں، اس لیے وہ میرے خلاف کوئی مسلح بغاوت نہیں کرا سکتے۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کر مجھے ہی کیوں نہ ختم کرا دیا جائے، نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری... مختصر طور پر کل حالات یہی ہیں۔" یہ کہہ کر صدر خاموش ہو گئے۔

"ٹھیک ہے، ہم سمجھ گئے، لیکن آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لوگ آپ کی جان لینا چاہتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا، کیا یہ میری بات کا کھلم کھلا ثبوت نہیں ہے؟" صدر بولے۔

"یہ تو خیر ٹھیک ہے، لیکن آپ کے ساتھ کیا واقعہ یا حادثہ پیش آیا جس کی بنا پر آپ یہ سوچنے اور ہمیں بلانے پر مجبور ہوتے؟" انہوں

نے پوچھا۔

ایک روز میں شام کے کھانے کی میز پر بیٹھا۔ میری عادت ہے کہ کھانے سے پہلے دو چار بوٹیاں بلی کو کھلاتا ہوں۔ میں نے بوٹیاں بلی کی پلیٹ میں ڈالیں لیکن اس کی میاؤں کی آواز سنائی نہ دی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا، وہ کہیں نظر نہ آئی۔ مجھے اُلجھن سی ہوئی میں نے فوراً ملازموں کو اِدھر اُدھر دوڑایا، لیکن بلی کہیں نہ ملی۔ یہ ایک حیرت انگیز بات تھی، کھانے کے وقت تو بلی کبھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت تک مجھے سازش کا بھولے سے بھی خیال نہیں تھا، میں نے کھانا شروع کرنا چاہا، لیکن بلی کی محبت آڑے آئی، مجھے اپنے عوام سے ہی محبت نہیں۔ اپنے ملک کے چرند، پرند اور جانوروں سے بھی محبت ہے۔ بس میں نے بھی صاف کہہ دیا۔ بلی آئے گی تو کھانا شروع کیا جائے گا۔ میز پر اس وقت میرے تینوں مشیر اور شہزادہ بھی تھے۔ یہ لوگ بہت پریشان ہوئے کہ بلی کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں۔ آخر ایک دربان نے آکر بتایا کہ بلی باغ میں ہے، باغ کا دروازہ جو محل میں کھلتا ہے، بند ہے اور بلی اندر آنے کے لیے دروازے پر میاؤں میاؤں کر رہی ہے، میں نے اسے فوراً حاضر کرنے کا حکم دیا۔ بلی اندر آتے ہی بوٹیوں پر ٹوٹ پڑی اور پھر اچانک اس کے حلق سے دلخراش آواز نکلی، وہ فرش پر تڑپنے لگی۔ کھانے کی طرف بڑھتا ہوا میرا ہاتھ رک گیا، میری آنکھیں مارے خوف کے پھٹ پڑیں۔ اسی وقت



ڈاکٹر کو فون کیا گیا۔ اس نے بلی کا معائنہ کرتے ہی بتا دیا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ پولیس نے فوری طور پر کھانے پر قبضہ کر لیا اور لیبارٹری بھیج دیا۔ وہاں سے رپورٹ موصول ہوئی کہ سالن میں مہلک زہر پوٹاشیم سائنائڈ ملایا گیا ہے۔ میری سٹی گم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ سب سے پہلے لقمہ میں منہ میں ڈالتا اور منہ میں لقمہ ڈالتے ہی چیت ہو جاتا، دوسرے صاف بچ جاتے، پوٹاشیم سائنائڈ کب مہلت دیتا ہے۔ اس روز پہلی مرتبہ مجھے سازش کا خیال آیا۔ میں محتاط ہو گیا۔ میری پیاری بلی مجھ سے جُدا ہو گئی، وہ مجھ پر نثار ہو گئی تھی۔

تیسرے دن پھر ایک واقعہ پیش آیا۔ میں صبح کے وقت باغ میں ہری ہری گھاس پر چہل قدمی کرنے کا عادی ہوں۔ نظر کچھ کمزور ہو گئی ہے اور عینک لگوانا پسند نہیں کرتا، ڈاکٹر صاحبان نے دواؤں کے ساتھ صبح سویرے شبنم سے لدی گھاس پر چہل قدمی کرنا بھی تجویز کیا ہے۔ تو میں اس روز چہل قدمی کرنے نکلا۔ میرے ساتھ اس وقت کوئی نہیں ہوتا۔ اچانک مجھے گھاس میں ایک کانٹا نظر آیا۔ کانٹے کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں ننگے پاؤں تھا، کانٹا پاؤں میں چبھ سکتا تھا، میں اسے اٹھانے کے لیے جھکا تو قریب ہی ایک اور کانٹا نظر آیا۔ اب تو حیرت اور بڑھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ چار کانٹے اور نظر آئے۔ میں نے انھیں چن لیا اور اس روز چہل قدمی کا پروگرام کینسل کر دیا۔ کانٹے بھی لیبارٹری بھجوا دیے۔ رپورٹ ملی کہ ان پر

بھی وہی زہر لگایا گیا ہے اور اگر کوئی ایک کانٹا بھی میرے پاؤں میں چبھ جاتا تو میری موت واقع ہو جاتی۔

میرے ملک کے محکمہ سراغرسانی کے چیف دالف ڈین ہیں، انھوں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، تفتیش کے گھوڑے دوڑائے، لیکن کچھ پتا نہ لگا سکے کہ ان وارداتوں کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ اچانک مجھے آپ لوگوں کا خیال آیا، میں نے اپنے تینوں منسٹروں سے ذکر کیا، انھوں نے پہلے تو اس تجویز کو پسند نہ کیا، لیکن جب میں ضد پر اڑ گیا تو یہ خاموش ہو گئے۔"
یہاں تک کہہ کر صدر چپ ہو گئے اور ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"ہماری آمد کے بارے میں آپ چاروں کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں تھا؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں ــــ شہزادہ قوماں بھی بے خبر تھے، یہ دراصل اس روز یہاں موجود ہی نہیں تھے، چند دنوں کے لیے ملک سے باہر گئے ہوئے تھے، بیچارے شدید سر درد کے شکار ہیں، ملکی ڈاکٹروں کو آزما چکے ہیں اور ان دنوں ایک امریکی ڈاکٹر سے علاج کرا رہے ہیں، اس سلسلے میں انھیں مہینے میں ایک آدھ مرتبہ دو تین دن کے لیے امریکہ جانا پڑتا ہے۔" انھوں نے بتایا۔

"ابا جان! ایک سوال میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"ضرور ضرور ــــ اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید کی بجائے صدر نے کہا۔



"خدانخواستہ آپ اس زہر کا شکار ہو جاتے تو کیا صورتِ حال پیش آتی؟"

"شہزادہ قوماں سے درخواست کی جاتی کہ وہ قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھال لیں اور اس کے کچھ عرصہ بعد ملک میں عام انتخابات کا اعلان کر دیا جاتا۔" صدر بولے۔

"آپ کے بعد اس وقت ملک کا مقبول ترین آدمی کون ہے؟"

"حکومت کی مخالف جماعت کا سربراہ۔ اس کا نام ڈاکٹر طوماؤس ہے۔ اس کی جماعت بہت طاقت ور ہے۔" صدر نے بتایا۔

"اب آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں، یہ کہ ہم سازشیوں کو بے نقاب کر دیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اس کے علاوہ میں اور کیا چاہوں گا؟"

"لیکن اگر اس سازش میں طوماؤس کا ہاتھ ہوا تو کیا آپ اسے گرفتار کر سکیں گے؟"

"اگر وہ سازشی ہے تو آپ کو اس کے خلاف ٹھوس ثبوت مہیا کرنا ہو گا... یہ ٹھوس ثبوت جب ہم عوام کے سامنے پیش کریں گے تو طوماؤس کا ساتھ دینے والے بھی اس کے خلاف ہو جائیں گے، کیونکہ ہمارے عوام صرف وطن دوست ہیں اور جو شخص وطن دوست نہیں وہ اس کے ساتھی نہیں ہو سکتے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ اب ہم دیکھ لیں گے، البتہ ہم یہ ضرور چاہیں

گے کہ ہمیں محل میں آزادانہ گھومنے پھرنے اور آنے جانے کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔"

"آپ لوگ ہر طرح آزاد ہیں، ایک کار بھی آپ کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ آپ جب چاہیں، جہاں چاہیں، اس میں جا سکتے ہیں" جمشید نے کہا۔

"اور اس دوران آپ پوری طرح محتاط رہیں گے۔"

"میں تو اسی دن سے محتاط ہو گیا ہوں جب میری پیاری بچی مجھ سے جدا ہوئی تھی۔"

اچانک وہ چونک اٹھے۔ محل میں کسی کے قہقہے گونج اٹھے تھے۔ یہ قہقہے اتنے طویل، بلند بانگ اور وحشیانہ تھے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

○

"یہ کیا ہے، کون اس طرح قہقہے لگا رہا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو تو یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ محل کی بجائے کسی پاگل خانے میں آ گھسے ہیں۔

"یہ شہزادہ قومان کا پاگل دوست ہے، بے چارہ تھوڑے دن پہلے بالکل ٹھیک تھا، بہت عقل مند اور زبردست قسم کا سیاست دان بھی تھا۔ شہزادے کا بچپن کا ساتھی تھا، اس نے اسے اپنا مشیر بنا لیا تھا، ماں باپ بہت عرصہ ہوا انتقال کر چکے ہیں، پچھلے سال بیوی



بھی فوت ہو گئی اور بدقسمتی کی حد یہ ہوئی کہ اب پاگل ہو گیا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے افسوس زدہ لہجے میں نکلا۔ پھر فاروق نے کہا۔ "کیا وہ خطرناک پاگل ہیں؟"

"نہیں، کسی کو کچھ بھی نہیں کہتا، بس وقت بے وقت قہقہے لگانے لگتا ہے۔"

"کیا ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟" فرزانہ کے منہ سے نکلا اور انسپکٹر جمشید اسے گھورنے لگے۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں... قومان... انہیں اپنے دوست سے ملا لاؤ۔"

"جی بہت اچھا۔"

فرزانہ کے ساتھ محمود اور فاروق بھی اٹھے تھے، لیکن انسپکٹر جمشید اور بیگم جوں کے توں بیٹھے رہے، جس کا مطلب تھا، وہ پاگل سے ملنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ تینوں شہزادہ قومان کے ساتھ کمرے سے نکل کر ایک برآمدے میں چلنے لگے۔ موڑ مڑتے ہی شہزادہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ قہقہوں کی آواز اب رک گئی تھی، انہوں نے دیکھا۔ ایک شاہانہ کرسی میں ایک خوب صورت اور بھولا بھالا سا نوجوان بیٹھا تھا، اس کی نظریں فرش پر جمی تھیں۔ جیسے کسی گہری سوچ میں گم ہو۔ پاس ہی ایک دوسری کرسی پر ننھی سی بچی بیٹھی سسک رہی تھی۔ بچی کی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہو گی، اس کے کپڑے صاف ستھرے اور زرق برق تھے۔ نوجوان اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

"یہ بچی کون ہے؟" فرزانہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"یہ میرے دوست کارنیل کی بیٹی سومی ہے۔ بے چاری اپنی ماں سے جدا ہو گئی ہے۔" شہزادے نے غمگین آواز میں کہا۔ ان کی آواز سن کر کارنیل نے سر اوپر اٹھایا اور خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا حال ہے کارنیل؟" شہزادے کے منہ سے نکلا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا، بس ٹکٹکی باندھے انھیں دیکھتا رہا۔

"بس یہی حالت ہے۔ جس دن سے پاگل ہوا ہے، اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی، سوائے قہقہے لگانے، اپنے کمرے میں ٹہلنے اور کھانا ملنے پر کھا لینے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔" شہزادے نے بتایا۔

"کیا آپ نے انھیں ڈاکٹروں کو نہیں دکھایا؟"

"نہ جانے اب تک کتنے ڈاکٹروں کو دکھا چکا ہوں، لیکن کسی کی سمجھ میں پاگل پن کی وجہ نہیں آتی، ہر ایک نے اپنا اپنا علاج بھی آزما کر دیکھ لیا ہے۔"

"آپ انھیں کسی ماہر نفسیات کو کیوں نہیں دکھاتے؟" محمود نے مشورہ دینے کے انداز میں کہا۔

"ہاں! میں نے بھی یہ سوچا ہے۔" اس نے کہا۔

اسی وقت انھوں نے دیکھا، بچی کرسی سے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ایک الماری تک آئی۔ اس



نے الماری میں سے ایک کاپی نکالی۔ یہ ایسی ہی کاپی تھی جیسی سکول کے بچے استعمال کرتے ہیں۔ کاپی اٹھا کر وہ قومان کی طرف آئی اور بولی:

"دیکھیے انکل! میں نے کتنی اچھی انگریزی لکھی ہے۔ استانی صاحبہ بہت خوش ہوئی تھیں، انھوں نے کہا تھا، یہ میں آپ کو بھی دکھاؤں، آپ ضرور مجھے انعام دیں گے۔"

"کیوں نہیں، بیٹی!" قومان نے کہا اور بچی کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا، پھر کاپی اس کے ہاتھ سے لے کر ایک نظر اس پر ڈالی اور اسے بند کرتے ہوئے اسے دوسرے ہاتھ میں پکڑنے کی کوشش کی، لیکن کاپی نیچے گر پڑی۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ قومان نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا اور ایک سبز رنگ کا نوٹ نکال کر سومی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولا:

"یہ ہے ہماری بیٹی کا انعام۔" یہ کہتے ہوئے اس نے سومی کو فرش پر چھوڑ دیا۔ سومی فرزانہ کی طرف مڑی، کیونکہ اس کی کاپی اس کے ہاتھ میں تھی۔

"کیا خیال ہے۔ اچھی لکھائی ہے نا؟" سومی نے اس سے کہا۔

"ہاں! بہت پیاری۔۔۔ کسی وقت آ کر تمھاری ساری کتابیں اور کاپیاں دیکھوں گی۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا، اور کاپی اسے تھماتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کا گال تھپتھپایا۔ بچی خوش ہو گئی، حالانکہ آنسو

سے اس کے گال ابھی تک گیلے تھے۔
وہ کمرے سے جانے کے لیے مڑے، لیکن پھر حیرت زدہ رہ گئے شہزادہ توماں ایک دم فرش پر گرا تھا۔

---



# ڈائری غائب تھی

یہ کام کارنیل نے دکھایا تھا۔ شاید شہزادہ توماں کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ کارنیل اس کی ناگوں میں ٹانگ اڑا دے گا۔ کارنیل نے صرف یہی نہیں کیا۔ شہزادے کے گرتے ہی اسے گردن سے دبوچ لیا اور پھر پوری طاقت سے گردن دبانے لگا۔

وہ بوکھلا اٹھے۔ شہزادے نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی، اس کا دم گھٹنے لگا، آنکھوں میں تکلیف کی شدت سے آنسو آ گئے۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا:

"بچائیے... مجھے بچائیے۔"

اب ان کے لیے کھڑے رہنا ناممکن ہو گیا۔ محمود اور فاروق پھرتی سے آگے بڑھے اور کارنیل کی دونوں کلائیاں پکڑ کر زور لگایا، انہیں حیرت ہوئی، کارنیل کے بازوؤں میں بہت طاقت تھی، تاہم وہ اس کے ہاتھ گردن پر سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔ جونہی کارنیل کے ہاتھ ہٹے، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ اسے روتے دیکھ کر ـــــ ان کا دل پسیج گیا، انہوں نے اس

کے دونوں بازو چھوڑ دیے۔ تو مان غمزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔
"ارے ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں، یہ مجھ پر پھر جھپٹ پڑے
گا" اس نے بوکھلا کر کہا۔
"نہیں! اب یہ ایسا نہیں کریں گے۔"
ان کا خیال درست ثابت ہوا۔ کارنیل واپس اپنی کرسی پر بیٹھ
گیا تھا، اس کی آنکھوں سے اب تک آنسو جاری تھے۔ سومی بے تابی
کے عالم میں اس کی طرف بڑھی اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے خود
بھی رو پڑی:
"ابو ابو... اچھے ابو... مت روئیے... مت روئیے۔"
اس کی آواز سن کر کارنیل کو جھٹکا سا لگا، وہ اس طرح چونک کر
ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اب تک کوئی خواب دیکھتا رہا ہو۔ وہ ایسے
آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔ یہ شخص ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
کبھی قہقہے لگاتا تھا، کبھی روتا تھا اور بیٹی کی آواز سن کر بالکل خاموش
ہو جاتا تھا۔ خدا جانے یہ کیسا پاگل تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے کمرے کے
دروازے کی طرف چل پڑے۔ جس وقت سے وہ ہوائی اڈے سے
اترے تھے۔ واقعات پے در پے اور پھر اس طرح تیزی سے رونما
ہوئے تھے کہ انہیں ایک منٹ کے لیے بھی سوچنے سمجھنے کا موقع
نہیں ملا تھا۔ محل کے ایک خادم کو ان کی خدمت پر مامور کر دیا گیا
تھا، اس نے انہیں ان کے کمرے میں پہنچایا۔ یہ ایک ہال نما کمرہ



تھا اور انہیں دوسرے کمرے کی ضرورت نہیں تھی۔ کمرے میں ضرورت
کی ہر چیز موجود تھی اور ضرورت کے وقت خادم کو بلانے کے لیے
گھنٹی کا بٹن موجود تھا۔
"یہاں تو کہیں سیر و تفریح کا نام و نشان بھی نہیں۔" فاروق نے تھکے
تھکے لہجے میں کہا۔
"یہ بات پہلے ہی صاف ہو چکی ہے کہ ہم یہاں تفریح کے لیے
نہیں بلائے گئے۔" فرزانہ نے کہا۔
"لیکن ہمارا خیال تھا کہ ہمیں کسی بہت ہی خفیہ اور خاموش قسم
کی سازش کا پتا لگانا ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ سیر بھی ہوتی رہے گی۔"
محمود نے کہا۔
"ہمارے ساتھ جو واقعات پیش آئے، ان کا اندازہ شاید صدر صاحب
اور ان کے مشیروں کو بھی نہ تھا، اسی لیے حفاظتی انتظامات نہیں
کیے گئے۔ دوسری طرف سازشیوں کو کسی طرح ہماری آمد کے بارے
میں پتا چل گیا، انہوں نے ہمیں راستے میں ہی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس سازش کا کرتا دھرتا کون ہے۔ ہمیں یہ
بھی ذہن میں رکھنا ہے کہ صدر صاحب ملک میں بہت مقبول ہیں،
عوام اور فوج انہیں بہت پسند کرتی ہے، لہٰذا ان کے خلاف ملک
میں کوئی مسلح سازش پروان نہیں چڑھ سکتی، اس لیے یہ سوچا گیا ہے
کہ انہیں ختم کر دیا جائے تاکہ ان کے بعد بڑی طاقت اپنی مرضی

کا آدمی اُوپر لا سکے؟"

"لیکن ابّا جان! وہ اپنی مرضی کا آدمی کس طرح اُوپر لا سکتے ہیں، اگر عوام اور فوج ہمارے میزبان کو پسند کرتے ہیں تو ظاہر ہے، ان کے بعد ان کی پسند کے ہی کسی آدمی کو چنیں گے، مثلاً ان کے بیٹے بھی ملک میں بہت مقبول ہیں، انہوں نے بھی لوگوں کی بھلائی کے لیے بہت سے کام کیے ہیں۔ انتخابات میں ضرور وہ بھی حصہ لیں گے، اس صورت میں یقینی طور پر وہی کامیاب ہوں گے، تو کیا اس طرح سازش ناکام نہیں ہو گی؟" محمود کہتا چلا گیا۔

"بہت خوب! تم نے ایک ایسا نقطہ اٹھایا ہے جس کی طرف میرا ذہن بھی نہیں گیا اور اب میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم یہ معلوم کر لیں کہ بڑی طاقت کس طریقے سے اپنے آدمی کو کامیاب کرانے کا ارادہ رکھتی ہے تو ہم اس سازش کی تہہ تک پہنچ جائیں گے اور ملک میں جو شخص بھی سازش کا سرغنہ ہے، اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اب میرے ذہن میں اس کے لیے یہ ترکیب آئی ہے کہ میں محل سے باہر رہ کر تفتیش کروں اور تم محل میں رہ کر، کیونکہ یہ بات تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ سازشیوں میں سے چند لوگ محل میں بھی موجود ہیں، ورنہ کھانے میں زہر اور باغ میں کانٹے کس طرح بچھائے جا سکتے تھے؟"

"ٹھیک ہے، آپ فکر نہ کریں، یہاں کا محاذ ہم سنبھال لیں گے۔"



محمود نے کہا۔

"لیکن اس طرح ہم سیر سے بالکل ہی محروم ہو جائیں گے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر ہم نے سازشیوں کو پکڑ لیا تو ہمارے میزبان تمہیں اتنی سیر کرائیں گے کہ شاید ساری عمر کے لیے تم سیر کا نام نہ لو گے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"کیوں... کیا سیر کا نام لیتے ہی میری زبان جل جائے گی؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اور اگر ہم سازش کی تہہ تک نہ پہنچ سکے تو پھر بھی شاید کبھی سیر کا نام نہ لے سکو گے۔" محمود مسکرایا۔

"اس لیے کہ اس صورت میں سیر کا نام سازش کرنے والے لینا شروع کر دیں گے۔"

"سنو... بے کار بحث کو چھوڑو اور کام کرو، کیونکہ صدر صاحب سخت خطرے میں ہیں، ہمارے آنے سے ان کی زندگی کو اور بھی خطرہ ہو گیا ہے۔ اس لیے ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے، بہت تیزی سے کرنا ہے، میں تمہیں مکمل اختیار دیتا ہوں، جو تمہارے جی میں آئے کرو، میں اسی وقت جا رہا ہوں۔"

"ابّا جان ---- آپ محل سے باہر کس سے ملیں گے؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"کیوں! تم کس لیے پریشان ہو؟"

"اس لیے کہ سازشی ہمیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ مسکرائے پھر بولے: "میں فی الحال شومٹا کے گھر والوں سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"شومٹا!" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے والد شومٹا کے گھر والوں سے ملنے کی ضرورت بھی محسوس کر سکتے ہیں۔

○

دوسرے دن ناشتے کے فوراً بعد انسپکٹر جمشید محل سے باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ تینوں جانتے ہی تھے کہ وہ شومٹا کے گھر جائیں گے۔ شومٹا کے عالی شان مکان تک انسپکٹر جمشید کو ایک فوجی جیپ لے کر گئی۔ جیپ میں چار فوجی سارا راستہ رائفلیں تانے بیٹھے رہے۔ ان کا کیپٹن ان کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ اس نے بھی ہاتھ میں پستول تان رکھا تھا۔

"مسٹر شومٹا کے بارے میں عام لوگوں کی کیا رائے تھی؟" انسپکٹر جمشید نے کیپٹن سے سوال کیا۔

"سنا ہے بہت اچھا آدمی تھا، ہمدرد اور پُرخلوص۔" اس نے کہا۔

"آپ کے خیال میں کوئی بڑی طاقت حکومت کے کس بڑے



عہدے دار کو سازش کا سرغنہ بنا سکتی ہے؟"

"اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، ہم تو صدر کے اور وطن کے وفادار ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور صدر کے بعد آپ کس کے وفادار ہوں گے۔ میرا مطلب ہے، ذہنی طور پر کس شخص کو صدر کی حیثیت سے پسند کریں گے؟"

"ان کے بیٹے شہزادہ فرمان سے زیادہ مناسب آدمی کوئی نہیں ہو گا۔"

اسی وقت وہ شومٹا کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں موت کی خاموشی طاری تھی۔ کل صبح تک شومٹا اس دنیا میں موجود تھا، لیکن دوپہر سے پہلے وہ اپنے گھر والوں کا اور ملک کا ساتھ چھوڑ چکا تھا اور آج تو اس کی موت کو دوسرا دن ہو چکا تھا، اس کے گھر میں موت کی خاموشی کیوں طاری نہ ہوتی۔

شومٹا کے بڑے بیٹے نے ان کا استقبال کیا۔ محل سے چلتے وقت صدر کے دونوں مشیروں نے ان کے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تھی، لیکن انسپکٹر جمشید نے تنہا آنے کا پروگرام بنایا تھا۔ کیپٹن نے ان کے بارے میں شومٹا کے بیٹے کو تفصیل سے بتایا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"میں آپ سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ شاید مجھے کوئی سراغ مل جائے۔"

"میں ہر طرح تیار ہوں۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"کیا آپ کے والد ان دنوں کچھ پریشان تھے؟" انہوں نے ڈرائینگ روم کی دیواروں اور ساز و سامان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! کچھ دنوں سے بہت پریشان رہنے لگے تھے، میں نے کئی بار پوچھا، لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، کچھ بھی نہ بتایا" شوشا کے بیٹے نے بتایا، اس کا نام شومبا تھا۔

"وہ ڈائری لکھنے کے تو عادی ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی ہاں! سونے سے پہلے وہ باقاعدگی سے ڈائری لکھا کرتے تھے۔ گھر میں کسی کو ڈائری دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ اسے الماری میں رکھ کر تالا لگانا کبھی نہیں بھولتے تھے۔"

"پھر تو ہمارے لیے اس ڈائری کو دیکھنا بہت ضروری ہے، میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ آپ کے ملک اور قوم کا معاملہ ہے، ان کی موت وطن کی خاطر ہوئی ہے۔ اس لیے مجھے اُمید ہے کہ ان کی موت کے بعد آپ کو ڈائری دکھانے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میرے ساتھ کیپٹن موجود ہیں، جو آپ کو بتا سکتے ہیں کہ میں اگرچہ غیر ملکی ہوں، لیکن آپ کے ملک کا اتنا ہی دوست ہوں جتنا اپنے ملک کا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں! والدِ محترم کی الماری کی چابی ہمیشہ



ان کی جیب میں رہتی تھی، آئیے میں آپ کو ان کے کمرے میں لے چلتا ہوں۔" اس نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انسپکٹر جمشید سوچ رہے تھے کہ شاید شوشا کی ڈائری بہت سے مسئلوں کو حل کر دے گی۔ وہ شومبا کے ساتھ چکنے فرش والے برآمدے میں چلتے ہوئے... ایک شاندار خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ ریشم اور حریر کے پردے دروازوں اور کھڑکیوں پر لہرا رہے تھے۔ بستر فوم کے گدے کا تھا اور اس میں آبنوس کی لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ شومبا نے اپنے والد کی جیبوں سے چابیوں کے دو تین گچھے نکالے اور ان میں سے ایک لے کر بستر کے ساتھ والی الماری کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے الماری کا دروازہ کھل گیا۔ اس نے الماری کے اُوپر والے خانے میں سے ڈائری اُٹھانے کے لیے ہاتھ اندر ڈالا، لیکن پھر دھک سے رہ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ!"

"کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ڈ ڈ.... ڈائری.... غائب ہے۔" اس کے منہ سے اس طرح نکلا جیسے خواب میں بولا ہو۔

"کیا کہا۔ ڈائری غائب ہے؟" انسپکٹر جمشید الماری کی طرف جھپٹے اور پھر انہوں نے پوری الماری ہی نہیں، ساری خواب گاہ دیکھ ڈالی، لیکن ڈائری کا دُور دُور تک نشان نظر نہ آیا۔

○

"مجھے اس پورے محل میں بے چاری سومی پر بہت ترس آرہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ترس تو سومی کے والد کارنیل پر بھی آرہا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ان دونوں کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ کام تو صرف ڈاکٹروں کا ہے، اگر مسٹر کارنیل ٹھیک ہو جائیں تو سومی بھی پھولوں کی طرح کھل اُٹھے گی۔" محمود نے کہا۔

"لیکن مجھے اس پر پھر بھی ترس آرہا ہے۔ میں اس سے دوبارہ ملنا چاہتی ہوں۔" فرزانہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق چونکے، کیونکہ وہ اس کے اس لہجے سے خوب واقف تھے۔

"ذرا سوچو... تین ماہ پہلے اس کے والد مسٹر کارنیل بالکل ٹھیک تھے۔ آخر وہ پاگل کس طرح ہو گئے، پاگل تو آدمی کسی بہت بڑے صدمے یا بہت بڑی خوشی سے یا پھر دماغ پر چوٹ آنے سے ہوتا ہے۔ کیا ان کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ہوئی ہے؟" فرزانہ نے کہا۔

"ہمیں کیا معلوم! ہو سکتا ہے، کوئی ہوئی ہو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہمیں خادم سے معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" فرزانہ نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بلا کر معلوم کر لو۔" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔



دونوں کو فرزانہ احمق نظر آرہی تھی۔ وہ سمجھتے تھے، کارنیل کے پاگل پن میں کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

فرزانہ نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ دوسرے ہی لمحے ملازم دروازے پر نمودار ہوا اور وہ حیران رہ گئے کہ اس قدر جلد وہ کس طرح آ گیا تھا، کیا وہ کمرے کے باہر ہی موجود تھا۔

"بابا! تم اتنی جلدی کس طرح آ گئے؟" محمود نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے ہدایات ملی ہیں کہ ہر وقت آپ کی خدمت کے لیے تیار رہوں، اس لیے میں نے دروازے کے قریب ہی سٹول رکھ لیا ہے۔ اس پر بیٹھا ہوا تھا کہ گھنٹی کی آواز سنائی دی۔" اس نے بتایا۔

"اس کی ضرورت نہیں، آپ اپنے کمرے میں رہیں، جب ضرورت ہو گی، ہم گھنٹی بجا کر بلا لیں گے، آپ کے کمرے میں گھنٹی تو بجتی ہو گی۔" محمود نے کہا۔

"جی ہاں!" وہ بولا۔

"اس وقت ہم نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ چند باتیں معلوم کرنی ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں، مسٹر کارنیل کس طرح پاگل ہوئے تھے؟"

"جی نہیں، مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، بس وہ اچانک ہی پاگل ہو گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"آخر کس طرح۔ کیا ان کے سر پر کوئی چوٹ لگی تھی؟"

"جی نہیں چوٹ تو نہیں لگی تھی" اس نے جواب دیا۔

"پاگل ہونے سے پہلے انہیں زبردست قسم کا کوئی صدمہ پہنچا تھا؟" فاروق نے پوچھا۔

"جی نہیں! وہ تو آرام سے سو رہے تھے کہ یکایک ان کے قہقہے سنے گئے، سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے، ان کے کمرے میں پہنچے تو وہ فرش پر بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے۔ رہی بات صدمے کی تو ان کی بیوی دو سال پہلے فوت ہوئی تھی، صدمہ تو انہیں اس وقت پہنچا تھا۔"

"کوئی بہت بڑی خوشی تو انہیں نہیں ملی تھی؟"

"جی نہیں! وہ ان دنوں خوش تو ہرگز نہیں تھے، البتہ فکر مند ضرور رہتے تھے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں، وہ کیوں فکر مند رہنے لگے تھے؟"

"جی نہیں! اس بارے میں بھی مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اگرچہ ان کی خدمت کے فرائض بھی مجھے ہی انجام دینے پڑتے ہیں۔ ہاں... میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دو ایک بار انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر مجھ سے یہ کہا تھا کہ بابا... اب میں یہاں نہیں رہوں گا، میں یہاں سے چلا جاؤں گا، جب میں نے پوچھا، کہاں چلے جائیں گے اور کیوں چلے جائیں گے تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، بس خلا میں گھورتے رہے۔"



"بہت بہت شکریہ بابا! اب آپ جا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

خادم کے جانے کے بعد فرزانہ نے ان دونوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"مجھے اس پاگل پن میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔"

"کالا کالا دال میں نظر آیا کرتا ہے، محاوروں کی ٹانگ نہ توڑا کرو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اگر تمہاری ٹانگ توڑی تو تم ابا جان سے شکایت کرو گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تم اور میری ٹانگ توڑو گی، تم خود کو سمجھنے کیا لگی ہو؟" محمود نے تنک کر کہا۔

"فرزانہ ـــــ" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔ "کمزور تو میں تم سے نہیں رہوں گی، جب جی چاہے، مقابلہ کر لو۔ شکست کا ناچ نہ نچایا تو میرا نام بدل دینا۔"

بیگم جمشید مسکرانے لگیں، وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھیں۔ شوشا کی موت نے انہیں اداس کر دیا تھا۔

"تو آؤ۔ ابھی مقابلہ ہو جائے۔" محمود اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے ارے۔ پہلے صدر صاحب کے دشمنوں سے تو مقابلہ کر لو۔" بیگم جمشید بولیں۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے، ہمیں اپنی طاقت آپس میں لڑ کر ضائع

"نہیں کرنی چاہیے۔" محمود نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"بس بیٹھ گئے صابن کے جھاگ کی طرح۔" فرزانہ طنزیہ لہجے میں بولی
"ہاں بیٹھ گیا، تم کہیں کے غبارے کی طرح اوپر اُٹھ جاؤ۔" محمود
"اور میں دھواں بن کر اُڑ جاتا ہوں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔ "میں کہ
ہوں، ابا جان کے آنے تک اگر ہم یونہی باتیں بگھارتے رہے تو ا
کیا جواب دیں گے۔"
"تم ہی بتاؤ، کیا کریں، مجھے تو کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔" محمود نے ک
"میں تو صرف سومی سے ملنا پسند کروں گی، اس گھر میں صرف وہی ای
لڑکی ہے جس سے اس کیس میں ہمیں کوئی مدد مل سکتی ہے۔" فرز
نے کہا۔
"بھلا اس سے ہمیں کیا مدد مل سکتی ہے۔" محمود کے لہجے میں
حیرت تھی۔
"تم دونوں یہاں بیٹھ کر یہ سوچو کہ ہمیں اس سے کس طرح مدد مل
سکتی ہے، میں اس سے مل کر آتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا اور تیز تیز
قدم اُٹھاتے ہوئے باہر نکل گئی۔ دونوں اسے دیکھتے ہی رہ گئے
پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"اب ہم کیا کریں؟" محمود نے پوچھا۔
"الگ الگ؟" فاروق کے منہ سے نکلا۔
"الگ الگ۔ کیا مطلب؟" محمود نے کہا۔

"فرزانہ تنہا چلی گئی ہے، ہم بھی الگ الگ نکلتے ہیں، شاید کچھ معلوم
کرنے میں کامیاب ہو ہی جائیں۔" فاروق نے کہا۔
"تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ اتفاق میں برکت ہے۔"
"کیا کہنا چاہتے ہو۔" فاروق نے کہا۔
"آؤ، ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔" اس نے کہا۔
"چلو یونہی سہی۔"
دونوں جونہی کمرے سے باہر نکلے، ٹھٹک کر رک گئے۔ ایک
تیر سنسناتا ہوا ان کے درمیان سے گزر کر دروازے میں پیوست ہو
گیا تھا۔

# تن لین

چند سیکنڈ سکتے کے عالم میں گزر گئے، پھر محمود چلایا:

"فاروق! خنجر اس طرف سے آیا تھا۔" دونوں چھلانگیں لگاتے ہوئے اس سمت میں دوڑے، لیکن برآمدہ تو دور دور تک سنسان پڑا تھا۔ آخر تک دوڑتے چلے گئے اور پھر موڑ پر پہنچ کر رک گئے۔ دوسری طرف سے تن لین چلا آ رہا تھا۔ اس نے انہیں بدحواسی کے عالم میں دوڑتے دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا:

"کیا بات ہے، خیر تو ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہم اپنے کمرے سے نکل رہے تھے، عین اسی وقت کسی نے ہم پر حملہ کیا۔"

"وہ کون تھا؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہم اسے دیکھ نہیں سکے۔ اسی کو پکڑنے کے لیے برآمدے میں دوڑے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، اس نے ہمارے کمرے کے آس پاس کسی کمرے کے دروازے یا کھڑکی میں سے وار کیا، پھر فوراً ہی کمرے میں دبک گیا، وہ ابھی تک کسی کمرے میں



ہوگا اور اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو ہم اسے پکڑ سکتے ہیں اور یہ زبردست کامیابی ہوگی۔ ہو سکتا ہے، ہم اس کے ذریعے سازش کی تہہ تک پہنچ جائیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہوگی۔ آیئے میں ہر طرح تیار ہوں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

وہ واپس مڑے اور اپنے کمرے کے قریب پہنچے۔ خنجر ابھی تک دروازے میں پیوست تھا۔ اس کا دستہ پیتل کا تھا۔ دونوں نے دستے کے رخ کا بغور جائزہ لیا اور پھر مخالف سمت کے تیسرے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

"خنجر اس کمرے سے مارا گیا ہے، ہمیں یقین ہے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" تن لین کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔

"کیوں! ہو کیوں نہیں سکتا؟" فاروق نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"یہ کمرہ شہزادہ قومان کا ہے۔" تن لین نے پریشان ہو کر کہا۔

"تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے، ان کے کمرے سے کوئی اور شخص ہم پر حملہ کر سکتا ہے اور ہمیں یقین ہے، وہ اب تک کمرے میں موجود ہے۔"

"اچھی بات ہے، دیکھ لیتے ہیں۔" تن لین نے کہا اور دروازے پر دستک دی... ان کے دل دھک دھک کرنے لگے۔ پھر کسی کے

قدموں کی چاپ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

دروازہ کھولنے والا خود شہزادہ قوبان تھا اور اس کے پیچھے سبوتا راکا بھی موجود تھا۔ "خیر تو ہے ڈیر تق لین!" شہزادے نے مسکرا کر پوچھا۔

تق لین کچھ گھبرایا سا نظر آنے لگا۔ شاید اس کا خیال تھا، کمرے میں شہزادہ موجود نہیں ہوگا، لیکن یہاں شہزادے کے ساتھ سبوتا راکا بھی موجود تھا۔ اب وہ ان سے کیا کہتا، اسے گڑبڑاتے دیکھ کر محمود نے ایک قدم آگے بڑھایا!

"اس کمرے کے دروازے سے کسی نے ہم پر خنجر پھینکا ہے۔"

"وہ دیکھیے... دروازے میں پیوست ہے۔" اس نے کہا۔

"اس کمرے کے دروازے سے... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہاں تو میرے اور مسٹر سبوتا کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔" شہزادہ قوبان نے کہا۔

"اور ہم تقریباً ایک گھنٹے سے ساتھ بیٹھے ملک کے حالات پر بات چیت کر رہے ہیں۔" سبوتا راکا نے کہا۔

"کیا اس دوران آپ دونوں ایک آدھ منٹ کے لیے بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔" محمود نے سوال کیا۔

"پندرہ بیس منٹ پہلے میں باتھ روم تک گیا تھا۔" شہزادہ قوبان نے کہا۔

"ہم پندرہ بیس منٹ پہلے کی نہیں، ابھی دو منٹ پہلے کی بات



کر رہے ہیں، کیا دو منٹ پہلے بھی آپ الگ الگ ہوئے تھے۔"

"نہیں، ہرگز نہیں، ہم ایک ساتھ رہے۔" شہزادے نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اوہ!" فاروق کے چہرے پر مایوسی جھلک آئی۔

"لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ آپ کا خیال ٹھیک ہی ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خنجر آس پاس کے کسی اور کمرے سے پھینکا گیا ہو۔" شہزادے نے کہا۔

"ہاں! اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" تق لین نے بلند سے کہا۔

"دائیں بائیں کمروں میں کون رہتا ہے۔" محمود نے سوال کیا۔

"میرے ساتھ والا کمرہ خود ابا جان کا ہے اور بایاں کمرہ مسٹر سبوتا راکا کا ہے، ظاہر ہے کہ مسٹر سبوتا راکا کا کمرہ اس وقت خالی ہوگا، کیونکہ وہ میرے پاس موجود ہیں۔ یہ کمرے صرف حکومتی کاموں کے لیے مخصوص ہیں، رہائشی انتظامات محل کے دوسرے حصوں میں ہیں، وہاں ہم لوگوں کے بیوی بچے رہتے ہیں۔" شہزادے نے بتایا۔

"اور مسٹر تق لین کا کمرہ کون سا ہے۔" فاروق نے اچانک سوال کیا۔

"ابا جان سے اگلا کمرہ ان کا ہے۔"

"اور آپ اس وقت کہاں سے آ رہے تھے۔" محمود نے تیزی سے

سے کہا۔

"رہائشی کمروں کی طرف سے، بیوی بچوں میں کچھ وقت گزار کر آ رہا تھا۔" تن لین نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، ہم بہت جلد یہ معلوم کر لیں گے کہ خنجر کس نے پھینکا تھا۔" محمود نے کہا اور اپنے کمرے کے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فاروق بھی مڑا تھا، وہ تینوں انہیں کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

"فاروق! اپنے رومال کو ہاتھ پر لپیٹ کر اس خنجر کو نکال لو، یہ ہمارے بہت کام آئے گا۔" محمود نے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، اس پر یقیناً انگلیوں کے نشانات ہوں گے۔"

اسی وقت انہوں نے دیکھا، شہزادہ قومان، سبوتا ڈاکا اور تن لین اپنے اپنے کمرے میں داخل ہو رہے تھے، یہ دیکھ کر محمود نے سرگوشی میں کہا۔

"فاروق! ہمیں ایک کام کرنا ہے۔"

"اور وہ کیا؟" فاروق جلدی سے بولا۔

محمود اس کے کان پر جھک کر کچھ کہنے لگا۔ فاروق کی آنکھیں چمک اٹھیں، پھر وہ خنجر کی طرف متوجہ ہوا۔



فرزانہ دبے پاؤں کارنیل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ دروازہ بند نہیں تھا، اس لیے اسے دستک دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے دیکھا، کارنیل اپنے بستر پر پڑا سو رہا تھا۔ سومی اس کے سرہانے بیٹھی اپنے ننھے منے ہاتھوں سے سر دبا رہی تھی۔ اچانک سومی کی نظر اندر داخل ہوتی ہوئی فرزانہ پر پڑی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ فوراً ہی فرزانہ نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں چلتی اس کے نزدیک آ گئی۔

"تمہارے ابو کی آنکھ لگی ہوئی ہے، اس لیے آہستہ بات کرنا، کہیں یہ جاگ نہ جائیں۔"

"اچھا!" سومی نے خوش ہو کر کہا۔ شاید فرزانہ کو اپنے نزدیک دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

"آؤ... ہم اس الماری کے پاس چل کر باتیں کریں۔"

"چلو!" سومی دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں دبے پاؤں چلتی الماری تک آ گئیں۔ فرزانہ نے اس کے گال پر تھپکی دے کر کہا۔

"تم بہت اچھی بچی ہو، مجھے تم سے بہت ہمدردی ہے کہ تمہارے ابو بیمار ہو گئے ہیں، لیکن تم فکر نہ کرو، وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے، اب ہم لوگ آ گئے ہیں نا... ہم ان کا ایک بہت ہی اچھے ڈاکٹر سے علاج کرائیں گے۔ کچھ دیر پہلے جب ہم یہاں آئے

"مجھے تو تم نے اپنی کاپی انکل ترمان کو دکھائی تھی، وہ کاپی مجھے بھی بہت اچھی لگی تھی، تمہاری لکھائی کتنی خوب صورت ہے، لیکن اس وقت وہاں سب ہی موجود تھے، میں اسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکی تھی۔ کیا تم مجھے وہ دکھانا پسند کرو گی؟" فرزانہ رکے بغیر کہتی چلی گئی۔

"ہاں، کیوں نہیں۔ وہ وہیں... اس الماری میں ہی تو موجود ہے۔" سوسی نے کہا اور الماری کے پٹ کھول ڈالے، پھر کاپی اٹھا کر فرزانہ کو دی۔ وہ اسے کھول کر سرسری نظر سے دیکھنے لگی۔

"واہ... تم نے اس پر بہت اچھی انگریزی لکھی ہے، لیکن کہیں کہیں معمولی سی غلطی رہ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ اس لیے کہ اب ابو مجھے کچھ نہیں بتاتے۔" اس نے کہا۔

"تمہیں ٹیچر پڑھانے نہیں آتے؟"

"آتے ہیں، لیکن یہ کاپی الگ ہے۔ اس میں تو میں صرف اپنی پسند کے جملے لکھتی ہوں۔"

"اوہ تو یہ بات ہے، اگر تم پسند کرو تو اسے میں لے جاؤں، میں ساری کاپی کو پڑھ کر غلطیاں درست کر دوں گی اور تمہیں بھی بتا دوں گی۔"

"ضرور لے جاؤ... تم کتنی پیاری ہو۔"

"میں کل اسی وقت آ کر یہ کاپی تمہیں دوں گی، پھر ہم دونوں اچھی اچھی باتیں کریں گے۔"



"اچھی بات ہے۔" سوسی نے خوش ہو کر کہا۔

فرزانہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کاپی ہاتھ میں لیے وہ دروازے کی طرف بڑھی، دروازے پر پہنچ کر اس نے سوسی کو خدا حافظ کہنے کے لیے منہ موڑا، اپنا ہاتھ ہلانے کے لیے اوپر اٹھایا اور پھر دھک سے رہ گئی۔

کارنیل کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرزانہ کو بڑی سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ فرزانہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کا سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا کارنیل واقعی پاگل نہیں ہے۔ جھوٹ موٹ کا پاگل بنا ہوا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کیوں... آخر اسے پاگل بننے کی کیا ضرورت ہے۔

سوچ میں ڈوبی جب وہ اپنے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو اس نے دیکھا، فاروق کے ہاتھ پر ایک رومال لپٹا ہوا تھا اور وہ دروازے میں پیوست ایک خنجر نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ وہ چونک اٹھی۔

"ٹھہرو، یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے چلا کر کہا۔

○

انسپکٹر جمشید کی جیپ ڈاکٹر طوماس کی کوٹھی کے سامنے رکی کیپٹن

نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم نے دروازہ کھولا اور جب
اسے بتایا گیا کہ وہ ڈاکٹر طوماذس سے ملنے آئے ہیں تو اس نے انہیں
ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دینے چلا گیا۔
"یہ ڈاکٹر طوماذس کیسے آدمی ہیں، ان کی پارٹی کس حد تک مقبول
ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کیپٹن سے پوچھا۔
"اچھے آدمی ہیں، پارٹی کافی طاقت ور ہے، لیکن عوام زیادہ تر
صدر کے حامی ہیں، تاہم ہمارے ملک میں مخالفت حکومت کا تختہ
الٹنے کے لیے نہیں کی جاتی۔" کیپٹن نے کہا۔
"تو کیا ڈاکٹر طوماذس کو حکومت کا لالچ نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔
"میرا خیال یہی ہے۔" کیپٹن نے کہا۔
اسی وقت قدموں کی چاپ ڈرائنگ روم کے دروازے کی
طرف آتی سنائی دی، وہ خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے لمبے تڑنگے
شخص کو اندر آتے دیکھا۔ اس نے شیو بنائی ہوئی تھی، چہرے پر گھنی
چھوٹی مونچھیں تھیں، آنکھوں میں تیز چمک اس کی ذہانت کا پتا
دیتی تھی۔
"ڈاکٹر طوماذس حاضر خدمت ہے۔" اس نے ان کے نزدیک
آتے ہوئے کہا۔
"اور یہ انسپکٹر جمشید ہیں۔" کیپٹن نے کہا پھر ان کے بارے میں
قدرے تفصیل سے بتایا۔

"اوہ... میں سمجھ گیا۔" اس نے چونک کر کہا پھر بولا: "انسپکٹر محترم آپ
غلط جگہ آ گئے ہیں۔"
"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔
"مطلب یہ کہ میں ملک کے صدر کے خلاف سازش کرنا ملک
کے خلاف سازش کرنے کے برابر سمجھتا ہوں، ہاں باقاعدہ ان کا
مقابلہ کرنا میرے نزدیک برا نہیں۔ میں انتخابات کے ذریعے تو
انہیں شکست دینا پسند کروں گا، لیکن سازش کر کے انہیں راستے
سے ہٹانا میرے نزدیک کمینگی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ صدر
ملک کے لیے ضروری ہے، عوام انہیں پسند کرتے ہیں، انہوں نے
ملک کے لیے بہت کام کیا ہے، ملک کو ترقی کی ڈگر پر چلایا ہے
ان کے خلاف سازش کرنا خود اپنے خلاف سازش کرنا ہے اور
میں اپنے خلاف سازش کروں، اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہو
سکتی ہے۔" وہ کہتا چلا گیا۔
"تو کیا آپ کے خیال میں صدر صاحب کے خلاف سازش ہو
ہی نہیں رہی؟"
"میں نے یہ کب کہا۔" وہ بولا۔
"اس کا مطلب ہے، آپ تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ لوگ سازش کر
رہے ہیں، تو کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سازشی کون لوگ ہیں؟"
انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ سازشی صدر صاحب کے ارد گرد کے لوگوں میں سے کوئی ہے اور وہ بھی خود نہیں، کسی بڑی طاقت کے اشارے پر سازش کر رہا ہے۔ بڑی طاقت ہمارے صدر کے اس لیے خلاف ہے کہ صدر صاحب نے آپ کے ملک سے تجارتی اور دفاعی معاہدے کر لیے ہیں، بڑی طاقت چاہتی تھی کہ اس قسم کے معاہدے ایک دوسرے ملک سے کیے جاتے جو اس کا دوست ہے بس یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کا تختہ الٹ دینا چاہتی ہے، لیکن چونکہ عوام اور فوج صدر کے ساتھ ہیں، اس لیے اس بڑی طاقت نے محلاتی سازش کا منصوبہ بنایا ہے۔"

"بہت خوب! مجھے خوشی ہے کہ آپ جیسے روشن خیال کے آدمی ملک میں موجود ہیں، آپ کے خیال میں صدر صاحب نے جو ہمارے ملک سے معاہدے کیے ہیں، ان کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں... میرا مطلب ہے کیا ہمارے ملک کی بجائے انہیں دوسرے ملک سے تعلقات جوڑنے چاہییں تھے۔"

"نہیں! آپ کے ملک سے تعلقات ہمارے لیے بہتر ہیں۔"

"آپ سے بہت مفید باتیں معلوم ہوئیں۔ بہت بہت شکریہ۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن ڈاکٹر طوماؤس تیزی سے اٹھ کر ان کے راستے میں آ گیا۔

"آپ اس طرح تو نہیں جا سکتے، ملازم چائے لے کر آتا ہی ہو گا۔"



اور انہیں بیٹھنا پڑا۔ چائے سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلے، جیپ میں بیٹھ رہے تھے کہ ٹھٹھک کر رک گئے۔

عین اسی وقت ایک کار وہاں آ کر رکی تھی، جیپ کار کے پاس سے گزرتی چلی گئی۔ انہوں نے دیکھا، تن لین کار سے اتر کر کوٹھی کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

---

# دستک

"کیوں! کیا ہم اس خنجر کو یہیں چھوڑ دیں؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! تاکہ حملہ کرنے والا موقع پا کر خنجر نکال کر لے جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں، لیکن میری پیاری بہن فرزانہ... احمق ملنے کا شوق تمہیں ہو تو ہو، مجھے ہرگز نہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور مجھے بھی نہیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"تم دونوں بے وقوف ہو۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"کیا یہ آج کی تازہ خبر ہے۔" محمود چہکا۔

"نہیں ــــــ بہت پرانی خبر ہے، لیکن وقتاً فوقتاً سنائی پڑ جاتی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ... ویسے تم کس طرح ثابت کر سکتی ہو کہ ہم بے وقوف ہیں؟" محمود نے کہا۔

"اس میں ثابت کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے، یہ بات تو ثابت شدہ ہے۔"

"تو پھر ثبوت بھی بہت پرانا ہو گا، کوئی نئی بات کرو۔" فاروق بولا



"نئی بات یہ ہے کہ خنجر اس وقت تک نکالنا مناسب نہیں جس وقت تک اس کی تصاویر نہ لے لی جائیں۔ اس صورت میں نہ صرف انگلیوں کے نشانات بالکل محفوظ ہو جائیں گے بلکہ خنجر کی سمت بھی محفوظ ہو جائے گی اور یہ دونوں چیزیں ہمیں ثبوت پیش کرنے کے کام آئیں گی۔" فرزانہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

محمود نے فاروق کی طرف اور فاروق نے محمود کی طرف دیکھا پھر دونوں کی نظریں فرزانہ پر جم گئیں۔

"ہمیں اعتراف ہے فرزانہ۔ ہم دونوں واقعی بے وقوف ہیں۔"

"چلو شکر ہے، آج تم نے اس بہت بڑی حقیقت کو تسلیم کر ہی لیا۔" فرزانہ نے خوش ہو کر بولی۔

"لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم یہاں رک نہیں سکتے۔" محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"تمہیں کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"محل ہی میں ایک جگہ جانا ہے۔ بہت ضروری کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم دونوں جاؤ، یہ کام میں کرا لوں گی۔" فرزانہ بولی۔

"تم کتنی اچھی بہن ہو۔ خدا تم جیسی عقل مند بہنیں سب کو دے۔" فاروق نے کہا۔

"اب چلتے پھرتے نظر آؤ، تاکہ میں اپنا کام شروع کرا سکوں۔"

"اچھا!" دونوں نے ایک ساتھ کہا اور اس سمت میں چل پڑے

جس طرف سے انہیں تن لین آتا نظر آیا تھا، انہوں نے ایک دربان
سے رہائشی حصے کے راستے کے بارے میں پوچھا اور صرف تین
منٹ بعد وہ وہاں موجود تھے، یہاں الگ الگ کوٹھی نما مکان بنا
دیئے گئے تھے، ہر مکان میں چار چار کمرے تھے۔ گول مٹول صحت مند
بچے کھیل کود میں مصروف تھے، انھوں نے ایک بچے سے تن لین
کے مکان کے بارے میں پوچھا۔ اس نے انگلی سے ایک مکان کی طرف
اشارہ کیا۔ دونوں دروازے پر پہنچے... گھنٹی کا بٹن دبایا تو ایک بچے
نے دروازہ کھولا:

"ہمیں مسٹر تن لین سے ملنا ہے۔ ہم محل میں مہمان ہیں۔"

"وہی تو نہیں جو دوسرے ملک سے آئے ہیں۔" بچے نے خوش ہو
کر کہا۔ شاید اس کے والد نے اسے ان کے بارے میں بتا دیا تھا

"ہاں! ہم وہی ہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ابو تو گھر میں نہیں ہیں۔" بچے نے کہا۔

"کیوں۔ کیا ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اس طرف نہیں آئے تھے؟"
فاروق نے پوچھا۔

"آئے تو ضرور تھے، لیکن واپس جا چکے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ یہ تو اور بھی اچھا ہے، خیر ہم وہیں ان سے مل لیں گے۔"
کہہ کر انہوں نے ہاتھ ہلائے اور واپس مڑ گئے:

"اس کا مطلب ہے تن لین نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔" محمود نے



کہا۔

"ہاں! اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خنجر کم از کم اس نے نہیں
پھینکا۔" فاروق بولا۔

کچھ دور تک وہ خاموشی سے چلتے رہے، پھر محمود چونک اٹھا۔ اس
نے کہا:

"یار فاروق! فرزانہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا اور وہ کونسی غلط بات کہتی ہی کب ہے۔" فاروق بولا۔

"سنو۔ اس نے کہا تھا، ہم دونوں بالکل بے وقوف ہیں۔"

"ہاں! لیکن یہ بات تو ہم اس کے سامنے تسلیم کر چکے ہیں، اب
اسے دہرانے کی کیا ضرورت تھی۔" فاروق نے کہا۔

"اس لیے کہ ابھی ابھی یہ بات پھر ثابت ہو گئی ہے۔" محمود مسکرایا۔

"وہ کیسے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سنو! تن لین یہاں تک اپنے گھر آیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز
نہیں کہ خنجر اس نے نہ پھینکا ہو۔ وہ گھر سے لوٹنے کے بعد ہم پر خنجر
سے وار کر کے بھی ہمیں دوسری طرف سے آتا نظر آ سکتا تھا۔" محمود
نے کہا۔

"وہ کیسے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس نے خنجر برآمدے کے موڑ پر سے مارا ہو گا اور پھر واپس
دوڑ گیا ہو گا، کچھ دور جا کر پھر پلٹا ہو گا اور ہماری طرف آ گیا۔ ہمارے

پوچھتے ہو اس نے بتا دیا کہ اپنے کمرے سے آ رہا ہے۔ ہم نے اس بات
کی تصدیق کر لی اور یہ خیال کر بیٹھے کہ تن لین کا بیان درست ہے۔
"اوہ... تو... تو کیا... تن لین" فاروق نے خوفزدہ لہجے میں ایک
ایک کر کے... اور پھر جملہ نامکمل چھوڑ دیا، کیونکہ دوسری طرف سے ان کے
والد چلے آ رہے تھے اور ان کا رُخ اپنے کمرے کی طرف تھا جہاں
ڈاکٹر فرزانہ موجود تھے اور خنجر ابھی تک دروازے میں پیوست تھا

○

وہ ایک ساتھ دروازے پر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید خنجر کو دیکھتے ہی
سمجھ گئے کہ کیا ہوا ہوگا۔ انگلیوں کے نشانات اور خنجر کے رُخ کی تصاویر
لینے کے بعد ماہرین تو رخصت ہو گئے، وہ اپنے کمرے میں آ بیٹھے۔
"خدا کا شکر ہے، جس نے تمہیں اس خنجر سے بچا لیا۔"
"جی ہاں! پھینکنے والے کا نشانہ ہی بہت کمزور تھا، ورنہ ہم تو
بالکل بے خبر تھے۔" محمود نے کہا۔
"میں شوماٹا کے گھر سے ہو آیا ہوں۔ اس کے بڑے لڑکے سے
ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا ہے کہ مرحوم سوتے وقت ڈائری
لکھنے کے عادی تھے۔ وہ ڈائری کو اپنے کمرے کی الماری میں رکھا
کرتے تھے، الماری کو تالا لگا رہتا تھا، لیکن جب اس نے میرے
سامنے الماری کھولی تو ڈائری اس میں نہیں تھی۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر



طوماؤں سے بھی ملا۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اس سے کچھ کام کی
باتیں معلوم ہوئیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ڈاکٹر طوماؤں سے گفتگو کی
تفصیل انہیں سنا دی۔
"اس کا مطلب ہے، مسٹر شوماٹا محل میں نہیں رہتے تھے۔" محمود
نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں! ان کے لیے یہاں مکان ضرور مخصوص ہے، لیکن انھوں
نے ہمیشہ اپنے آبائی مکان میں ہی رہنا پسند کیا۔ اب تم سناؤ، تم نے
کیا تیر مارے۔" انسپکٹر جمشید یہ کہتے وقت مسکرائے۔
"جی ہم کیا تیر مارتے، دشمن جو خنجر چلا رہے ہیں۔" فاروق نے
مسمسی صورت بنا کر کہا۔
"دوپہر کا کھانا ہمیں صدر صاحب کے ساتھ کھانا ہے، وہ ضرور
یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ ہم نے اس وقت تک کیا کیا، لہٰذا بتانے
کے لیے ہمارے پاس ضرور کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے؟"
"آپ کے جانے کے بعد فرزانہ سومی کے پاس چلی گئی تھی، ہم
باہر نکلے تو خنجر سے واسطہ پڑا، آس پاس کے کمروں میں رہنے والوں
کو ٹٹولا گیا۔ ایک کمرے میں مسٹر سیلوتا راکا اور دوسرے میں شہزادہ
زمان رہتے ہیں، اس سے اگلا کمرہ صدر صاحب کا اور اس سے
اگلا مسٹر تن لین کا ہے، جب ہم برآمدے میں دوڑے تا کہ خنجر
پھینکنے والے کو پکڑ سکیں تو دوسری طرف مسٹر تن لین آتے نظر آئے۔

ان کے علاوہ برآمدے میں ہمیں اور کوئی نہیں ملا تھا۔
"کیا!! تن لین کا نام سن کر انسپکٹر جمشید کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔
"کیوں۔ آپ کو کس بات پر حیرت ہوئی؟" محمود نے پوچھا۔
"پہلے تم بتاؤ، پھر تم نے کیا کیا؟" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔
انھوں نے تفصیل سنا ڈالی۔ اور آخر میں یہ بھی کہ وہ تن لین کے بچے سے اس بات کی تصدیق بھی کر چکے ہیں کہ وہ گھر آئے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ انھوں نے برآمدے کے موڑ پر سے خنجر مارا ہو اور پیچھے ہٹ کر پھر ہماری طرف آئے ہوں"۔
"لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ کو تن لین کا نام سن کر اتنی حیرت کیوں ہوئی تھی"۔
"ہم جب ڈاکٹر طوماؤس کے گھر سے نکل رہے تھے تو اسی وقت ایک کار وہاں آ کر رکی تھی اور اس میں مسٹر تن لین موجود تھے۔" انھوں نے کہا
"کیا!!" وہ چلا اٹھے۔
"فرزانہ! تم سوسی سے ملنے گئی تھیں؟"
"جی ہاں! ابا جان۔ بہت پیاری بچی ہے۔"
"لیکن تم صرف اس لیے تو اس سے ملنے نہیں گئی ہو گی کہ وہ بہت پیاری بچی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔



"جی۔ کیا مطلب؟" محمود اور فاروق نے ایک ساتھ پوچھا۔
"یہ ضرور کسی چکر میں وہاں گئی تھی۔ بلکہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ کس چیز کے چکر میں گئی تھی؟"
"کمال ہے۔ آپ کس طرح بتا سکتے ہیں، جب کہ آپ ہمارے گھر سے نکلنے سے پہلے محل سے باہر جا چکے تھے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔
"اندازے کی بنا پر۔ تم جانتی ہی ہو، میں تو سے فیصد کام اندازوں کی بنیاد پر کرتا ہوں اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم سوسی کی کاپی حاصل کرنے کے چکر میں گئی تھیں، کیوں کیا یہ غلط ہے؟"
"اوہ! آپ کا اندازہ سو فیصد درست ہے۔" فرزانہ بھونچکی رہ گئی محمود اور فاروق بھی اسے حیران ہو کر دیکھنے لگے، کیوں کہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس کاپی کی بھی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے؟
"کیا تم وہ کاپی لے آئی ہو؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔
"جی ہاں! لیکن چرا کر نہیں، باقاعدہ سوسی کی اجازت سے لے کر آئی ہوں۔"
"اور مسٹر کارنیل نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔
"اُف خدا! اب یاد آیا، جب میں ان کے کمرے میں گئی تو سوسی کے ابو سو رہے تھے لیکن جب میں کاپی لے کر کمرے سے نکل اور

"میں نے مڑ کر سومی کی طرف دیکھا تو اس وقت مسٹر کارنیل کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ مجھے خونخوار نظروں سے گھور کر دیکھ رہے تھے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! تب تو تم بچ کر آ گئی ہو ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ تمہیں بھی گردن سے دبوچ لیتا، بالکل اسی طرح جس طرح اس نے اپنے دوست شہزادہ قومان کو دبوچ لیا تھا۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اچھا اب تم اس کاپی کو نکالو، تاکہ ہم جلدی جلدی اسے پڑھ لیں، پھر ہمیں کھانے کے لیے بھی جانا ہوگا۔" انہوں نے کہا۔

فرزانہ اٹھی اور الماری کی طرف بڑھی۔ محمود اور فاروق کے جانے کے بعد اس نے سب سے پہلے کمرے کے اندر آ کر کاپی کو الماری میں رکھا تھا اور اس کے بعد بابا کے ذریعے ڈاکٹر انکل کو بلایا تھا۔ اس نے الماری کے پٹ کھولے اور کاپی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، اس کا ہاتھ اُٹھا کا اُٹھا رہ گیا۔

کاپی الماری میں سے نکالنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ دستک دینے والے کو دیکھ لیا جائے۔

---



# عجیب لڑکی

محمود نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ بابا دو آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

"جناب! یہ مسٹر شوشا کی لاش کے بارے میں تفصیلات لے کر آئے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ اندر تشریف لے آئیے۔" انہوں نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا، دونوں اندر چلے آئے۔ بابا باہر ہی رہ گیا۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں دو بیگ تھے۔ بیگ انہوں نے چھوٹی میز پر رکھ دیے اور اس کے گرد پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"مسٹر شوشا کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جا چکا ہے۔ ان کے دماغ میں سے گولی نکال لی گئی ہے۔"

"بہت خوب! سب سے پہلے مجھے یہ بتائیے کہ گولی کتنے فاصلے سے ماری گئی ہے؟"

"یہ سب کچھ آپ کو تحریری رپورٹ میں مل جائے گا۔ تحریری رپورٹ اور گولی میرے بیگ میں موجود ہے۔ میں ابھی نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا، دوسرا خاموش بیٹھا رہا۔ اچانک انسپکٹر جمشید بولے:

"ذرا ٹھہریے مسٹر... آپ کا کیا نام ہے؟"

"کیوں! آپ نے میرا نام کیوں پوچھا؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"بس ایسے ہی، میری عادت ہے، جس سے بھی ملاقات ہوتی ہے، اس کا نام ضرور معلوم کرتا ہوں۔"

"مجھے رسٹاک کہتے ہیں اور یہ مسٹر شیفتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"جلدی نہ کریں۔ مجھے رپورٹ اور گولی کی اتنی ضرورت نہیں، پہلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمام معلومات تو رپورٹ میں درج ہیں۔" رسٹاک نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں کچھ نئی قسم کی باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جو شاید اس رپورٹ میں نہ ملیں، مثلاً پہلی بات یہ کہ زیادہ سے زیادہ کتنے فاصلے سے چلائی گئی گولی بارود کا نشان زخم کے ارد گرد چھوڑتی ہے؟"

"زیادہ سے زیادہ دس فٹ۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! اب تم دونوں ایسا کرو کہ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ میرے ریوالور سے نکلنے والی گولیاں تمہاری پیشانیوں پر بارود کا نشان ضرور چھوڑیں گی، کیونکہ ہمارا درمیانی فاصلہ پانچ فٹ سے بھی کم ہے۔"



انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا، ساتھ ہی ان کے دائیں ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ بھونچکے رہ گئے۔ رسٹاک اور شیفتے کے منہ بھی مارے حیرت کے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"کیا مطلب؟" ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

"مطلب تو تم مجھ سے بھی اچھی طرح سمجھتے ہو گے اور اگر نہیں تو بتائے دیتا ہوں کہ پستول کی نالی عین پیشانی پر رکھ کر فائر کیا جائے تو صرف اسی صورت میں بارود کا نشان پایا جاتا ہے۔ جب کہ تم نے درمیانی فاصلہ دس فٹ تک بڑھا دیا ہے، اس صورت میں یہی کیوں نہ سمجھوں کہ تم جعلی آدمی ہو اور جعلی رپورٹ لے کر آئے ہو۔ بلکہ تمہارے بیگ میں رپورٹ نام کی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں، اس میں کوئی بے آواز ریوالور ضرور ہو گا۔" وہ رکے بغیر کہتے چلے گئے

ان کے رنگ زرد پڑ گئے، ہاتھ اوپر اٹھتے چلے گئے، انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے:

"اگر تمہیں دوسرے ملک سے یہاں بلایا گیا ہے تو کچھ تو سوچ کر بلایا گیا ہے، تم لوگ آخر اتنے بے وقوف کیوں ہو، جو یہ سمجھتے ہو کہ ان ہتھکنڈوں سے ہم دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو جائیں گے محمود گھنٹی کا بٹن دبا دو تاکہ ہم انہیں فوجیوں کے حوالے کر سکیں۔"

لیکن اس سے پہلے کہ محمود گھنٹی بجاتا، دروازے پر دستک ہوئی اور وہ ایک بار پھر چونک اٹھے۔ محمود نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول

ڈالا۔ فوراً ہی بابا کی تھرتھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جی جناب! یہ دونوں حضرات بھی مسٹر شوشا کی لاش کے بارے میں تفصیلات لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

وہ اس کا جملہ سن کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ دروازے میں دو وردی پوش آدمی کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بیگ نہیں تھے، البتہ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دو خاکی رنگ کے لفافے ضرور تھے۔

"بابا! اس مرتبہ تم بالکل درست آدمی لائے ہو، کیونکہ ان کے ہاتھوں میں بیگ نہیں ہیں۔ اب تم مہربانی کر کے کیپٹن کو ادھر بھیج دو، ان کے لیے دو شکار تیار ہیں۔"

"جی... بہت اچھا۔"

رشاک اور شیشے کو کیپٹن کے حوالے کرنے کے بعد نئے آنے والوں سے لفافے وصول کیے اور انہیں جانے کی اجازت دے دی۔

"کھانے کا بلاوا آنے والا ہے، اس سے پہلے پہلے ہمیں اس رپورٹ کا جائزہ بھی لینا ہے اور سومی کی کاپی کو بھی دیکھنا ہے۔ پہلے تو ان خاکی لفافوں کو دیکھ لیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک لفافے کو کھولا۔ اس میں سے ایک گولی اور کاغذ کا ایک پرزہ نکلا۔ پرزے پر گولی کی تفصیل درج تھی کہ کس قسم کے پستول کی ہے اور کتنے فاصلے سے چلائی گئی ہے۔ انہوں نے



گولی پر پائے جانے والے نشانات کا بغور جائزہ لیا اور پھر دوسرا لفافہ کھولا۔ اس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ درج تھی، پیشانی پر بارود کے نشانات نہیں تھے، گولی کھوپڑی کو توڑتی ہوئی بھیجے میں گھس گئی تھی اور سارے بھیجے کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

وہ چند منٹ تک رپورٹ کو بغور پڑھتے رہے، پھر کاپی کھولنے کے لیے اٹھائی ہی تھی کہ کھانے کی گھنٹی بج اٹھی، ساتھ ہی ان کے دروازے پر دستک ہوئی۔

انہوں نے کاپی واپس الماری میں رکھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازے پر ایک بار پھر بابا موجود تھا اور انہیں کھانے کی میز پر چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"بڑے میاں! تم اس محل میں کب سے ہو؟" انسپکٹر جمشید نے باہر نکلتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"دس سال تو ضرور ہو گئے ہوں گے۔"

"تمہیں اس محل میں سب سے زیادہ کون پسند ہے؟"

"شہزادہ قربان۔ بہت ہمدرد انسان ہیں۔ میں فوج سے ریٹائر ہو کر گھر میں پڑا رہا تھا، لیکن شہزادے نے مجھے محل میں بلا لیا۔" اس نے بتایا۔

"اور سب سے زیادہ ناپسند کون ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"جو ناپسند تھا، اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔" بابا نے افسوس زدہ

لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب یہ کہ مسٹر شوملا مجھے سخت ناپسند تھے، وہ مجھے ہر وقت گھورتے رہا کرتے تھے۔"

"اور مسٹر کارنیل؟" انسپکٹر جمشید نے اچانک سوال کیا۔

"ہاں! کبھی کبھی میں نے انہیں بھی محمود کو گھورتے پایا تھا، لیکن اب تو وہ بے چارے پاگل ہو چکے ہیں۔"

وہ یہ سوچتے ہوئے کھانے کی میز کی طرف چل پڑے کہ آخر کارنیل اور شوملا بابا کو کیوں گھورتے تھے۔ انہیں اس غریب سے کیا دشمنی تھی۔

○

کھانے کی میز پر صدر صاحب، شہزادہ قومان، سبوم راکا، تق لین اور سومی پہلے ہی موجود تھے البتہ کارنیل نہیں تھا، شاید اس کا کھانا کمرے میں ہی پہنچا دیا جاتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں وہ میز پر کوئی گڑبڑ نہ مچا دیں۔

"مسٹر تق لین! آپ کب پہنچے؟" اچانک محمود کے منہ سے نکل گیا۔ فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید اسے گھور کر دیکھنے لگے، بلکہ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر ناگوار شکنیں بھی ابھر آئیں۔ محمود نے ان شکنوں کو صاف



محسوس کیا، لیکن اس نے پروا نہ کی اور تق لین کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیا مطلب؟" تق لین کے منہ سے نکلا۔

"آپ کچھ ہی دیر پہلے محل سے باہر گئے تھے، کیا یہ بات ٹھیک نہیں ہے؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ ہاں۔ میں ابھی ابھی آیا ہوں۔" تق لین مسکرایا۔

"لیکن آپ وہاں کرنے کیا گئے تھے؟" محمود بھی مسکرایا۔

"کہاں؟" تق لین کے منہ سے نکلا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ڈاکٹر طوماؤس کے ہاں!"

یہ الفاظ میز کے گرد موجود لوگوں کے کانوں سے کسی بم کے دھماکے کی طرح ٹکرائے۔ سب کی نظریں تق لین کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا یہ سچ ہے، آپ ڈاکٹر طوماؤس سے ملنے گئے تھے؟" شہزادہ قومان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں۔ یہ سچ ہے، مسٹر جمشید... کیا آپ کے بچے جادوگر ہیں؟" اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ اب اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"نہیں! یہ جادوگر نہیں ہیں۔ ہم آنکھوں دیکھی باتیں کہتے ہیں یا پھر اندازے لگاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ اب ان کی پیشانی کی شکنیں غائب ہو چکی تھیں اور وہ محمود کو تعریفانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں اس کا تق لین سے سوالات کرنا

پسند آیا تھا۔

"مسٹر تق لین! آپ ڈاکٹر طوماؤس کے ہاں کیوں گئے تھے جب کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ حکومت کی مخالف جماعت کے لیڈر ہیں؟"

"ہاں! میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں، لیکن شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ ڈاکٹر طوماؤس میرے بچپن کے دوست ہیں، یہ اور بات ہے کہ اب ہمارے راستے الگ الگ ہیں، میں حکومت کا وفادار ہوں اور وہ مخالف گروپ کا لیڈر، لیکن ہم آج بھی اسی طرح دوست ہیں اور کبھی کبھی پرانی دوستی کی یادیں تازہ کرنے کے لیے میں ان سے ملنے چلا جاتا ہوں، لیکن ملاقات کے دوران ہم کبھی بھی حکومتی مسئلے پر بات نہیں کرتے۔"

"لیکن آپ نے یہ بات آج تک چھپائی کیوں؟" سیوتارا کا نے کہا۔

"صرف اس لیے کہ کہیں آپ لوگ مجھ پر شک نہ کرنے لگیں۔" تق لین نے کہا۔

"شک تو ہم اب بھی کر سکتے ہیں۔" شہزادہ قومان نے کہا۔

"آپ بااختیار ہیں، میں ہر فیصلے کے لیے تیار ہوں۔"

"ابا جان! آپ کا کیا خیال ہے؟" شہزادے نے کہا۔

"غور کیا جائے گا، اتنی جلد بازی اچھی نہیں۔" صدر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کیا خیال ہے، اب کھانا شروع کیا جائے؟" شہزادہ



قومان بولا۔

"جی ہاں!" سیوتارا کا نے کہا۔

"کیا آپ کھانا چیک کر چکے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! آپ کے آنے سے پہلے ہمارا ایک کتا یہاں لایا گیا تھا، اسے چند لقمے کھلا کر دیکھا جا چکا ہے۔" تق لین نے کہا۔

"بہت خوب! تب تو کھانا واقعی شروع کر دیا جائے۔ ویسے میری ایک درخواست ہے، مسٹر تق لین کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہ کیا جائے، جب تک کہ میں سازش کی تہہ تک نہ پہنچ جاؤں۔"

"اچھی بات ہے، آپ کی خواہش کا احترام کیا جائے گا۔"

ابھی انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ سومی نے فرزانہ سے کہا:

"آپ نے میری کاپی پڑھی؟"

"کاپی — کیسی کاپی؟" شہزادہ نومان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"سومی کی کاپی — میں ان کی خوش خطی دیکھنے کے لیے لے گئی تھی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ارے یہ تو یونی اُوٹ پیانگ انگریزی لکھتی رہتی ہے۔" شہزادے نے ہنس کر کہا۔

"نہیں انکل! میں نے اس میں بڑے کام کی باتیں لکھی ہیں۔"
سومی نے بُرا مان کر کہا۔
ساتھ ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھی، پیچ میز پر پٹخا اور پیر پٹختے ہوئے ڈائننگ روم سے چلی گئی۔ شہزادہ تومان اور صدر صاحب اسے روکتے ہی رہ گئے۔

---



# سگار بکس

وہ آج کیپٹن کے ساتھ جیپ میں دارالحکومت کی سیر کے لیے نکلے تھے۔ سیر کی تجویز خود انسپکٹر جمشید نے پیش کی تھی۔ سومی کے جانے کے بعد انھوں نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا اور اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ آتے ہی سومی کی کاپی کو پڑھ ڈالتے، لیکن انسپکٹر جمشید کے اس اعلان نے ان تینوں کو حیران کر دیا:

"نہیں! ہم اس کمرے میں کاپی کو نہیں پڑھیں گے، بلکہ آج شام ہم سیر کے لیے جائیں گے اور کسی پارک میں کاپی کا مطالعہ کریں گے۔"
ان کی یہ بات محمود، فاروق اور فرزانہ کی سمجھ سے باہر تھی، لیکن وہ جانتے تھے، ان کے والد سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے، چنانچہ اس وقت وہ شہر کی سیر کر رہے تھے، انھوں نے ساحل سمندر کی سیر بھی کی تھی اور پہاڑیوں کے دامن میں بھی گئے تھے، پھر ایک پُرفضا پارک میں ٹہلنے کی غرض سے جیپ سے اتر آئے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کیپٹن سے پوچھا:

"اگر تب پر اچانک حملہ ہو جائے تو بچاؤ کی کیا صورت ہو گی؟"
"چار مسلح فوجی آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔
"لیکن اچانک حملے کی صورت میں یہ چار فوجی کیا کر سکیں گے۔" انہوں
نے اعتراض کیا۔
"کیا آپ خطرہ محسوس کر رہے ہیں؟"
"نہیں! لیکن اس کا امکان ضرور ہے اور دراصل ہم یہاں کہیں بیٹھ
کر ایک کاپی کی ورق گردانی کرنا چاہتے ہیں۔"
"کاپی کی ورق گردانی۔" کیپٹن کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی، کیوں کہ
اسے کاپی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔
"ہاں!" ان کے منہ سے نکلا۔
"آپ بے فکر ہو کر کاپی کا مطالعہ کریں۔ چاروں نوجوان اور میں
پوری احتیاط سے نگرانی کریں گے۔"
"اچھی بات ہے، اب ذمہ داری آپ کی ہو گی۔"
"آپ فکر نہ کریں، میں ان چاروں کو اس طرح کھڑا کروں گا کہ کوئی
حملہ آور حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔"
"بہت خوب! آج آپ کی مہارت بھی دیکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔
"کیا آپ کو یقین ہے کہ حملہ ضرور ہو گا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں! حملہ آور اس کاپی کو اڑا لے جانا چاہیں گے۔"



"کاپی کو!" کیپٹن کے منہ سے نکلا۔
"ہاں!" انہوں نے کہا۔
"اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ یہاں بیٹھ کر اس کاپی کا مطالعہ
کرنے آئے کیوں ہیں؟"
"اس کی ضرورت میں محسوس کرتا ہوں۔"
"بہت بہتر! تب آپ مطالعہ شروع کریں اور سب کچھ مجھ پر
چھوڑ دیں۔"
انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ وہ چاروں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھ
گئے۔ انسپکٹر جمشید نے محمود کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنے کپڑوں کے نیچے
پوشیدہ کاپی نکالی اور اسے کھولا، چاروں کی نظریں اس پر جم گئیں۔
دوسرے ہی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ حیرت زدہ رہ گئے، کاپی
پر آڑی ترچھی لکیروں اور ٹوٹے پھوٹے حروف کے علاوہ کچھ بھی نہیں
تھا، ابھی انہوں نے دوسرا ورق بھی نہیں الٹا تھا کہ پارک میں
ایک دھماکا ہوا اور پارک کے تمام بلب بجھ گئے، گھپ اندھیرا
چھا گیا۔
پندرہ منٹ بعد جب پارک میں بجلی کا کنکشن درست کیا گیا اور
کیپٹن ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ جوں کے توں اسی بنچ پر بیٹھے تھے
اور کاپی ان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔
"ارے! کاپی کہاں گئی؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"حملہ آور [illegible] گئے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔ کیپٹن دھک سے رہ گیا، اسی وقت انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا۔

"اب ہم محل میں واپس جائیں گے۔"

"ابا جان! یہ سب کیا تھا؟" فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"مجھے پہلے ہی امید تھی کہ ایسا ہی ہو گا۔"

"تو پھر آپ نے کاپی کیوں گنوائی؟" فاروق نے کہا۔

"بعض اوقات کچھ کھو کر پانا پڑتا ہے۔" وہ مسکرائے۔

آخر وہ واپس روانہ ہوئے اور پون گھنٹے کے بعد اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور کمرے کے فرش پر بچھے قالین کو الٹ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے قالین کے درمیانی حصے میں انگلیاں پھنسائیں تو قالین کی ایک تہہ سی الگ ہو گئی۔ اس کے اندر انگلیاں ڈال کر جب انہوں نے ہاتھ باہر نکالا تو ان کی انگلیوں میں ایک کاپی تھی۔

اور یہ سوامی کی کاپی تھی۔

○

دوسرے دن وہ سو کر اٹھے تو آسمان ابر آلود تھا، ہوا قدرے خنک تھی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی گہری نیند سوئے تھے۔ ناشتے کی میز



پر انسپکٹر جمشید بہت سنجیدہ تھے۔ صدر صاحب نے ان کی حالت فوراً ہی بھانپ لی، انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"خیر تو ہے، آپ آج بہت خاموش ہیں؟"

"جی ہاں! میں اس سازش کا پتا لگانے میں بری طرح ناکام رہا ہوں۔ ابھی تک کچھ بھی معلوم نہ کر سکا، ادھر ہم پر حملے پر حملہ ہو رہا ہے، اس لیے میں نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ ہم واپس چلے جائیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" صدر کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

"یہ میری زندگی کا ناکام ترین کیس ہے، ہم کل یہاں سے روانہ ہونا چاہتے ہیں، مہربانی فرما کر انتظامات کرا دیجیے۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ بجھا بجھا تھا۔

"آپ تو مجھے مایوس کیے دے رہے ہیں۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔ سازش کی جڑیں اس قدر گہری ہیں کہ ان تک پہنچنا میرے لیے ناممکن ہے۔ میں اور میرے بچے اگر کچھ دن اور یہاں رہے تو شاید ہم جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں۔"

"پھر بھی... میں آپ لوگوں کو اس طرح تو جانے نہیں دوں گا۔ آپ بے شک کیس پر کام نہ کریں، مہمانوں کی حیثیت سے چند دن ملک کی سیر تو کر لیں، آپ بہرحال میرے محسن ہیں، اس مرتبہ اگر کامیاب نہیں ہو سکے تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو ہم چند دن کے لیے سیر کی غرض سے رک جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے اور صدر صاحب کی اداسی ہیں کافی حد تک کمی واقع ہو گئی۔

ناشتے کی میز پر سب لوگ موجود تھے۔ سومی بھی تھی، لیکن اس کا منہ ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ آخر شہزادہ قرمان نے کہا:

"ہماری بیٹی اب تک ہم سے ناراض ہے، ہم نے تو یونہی مذاق میں کہا تھا، ورنہ تم تو بہت اچھا لکھتی ہو۔"

"بس رہنے دیجیے انکل۔" اس نے منہ بنایا۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ تم بہت اچھا لکھتی ہو، کیا تمہیں تمہاری کاپی واپس مل گئی ہے؟"

"ابھی تک نہیں ملی۔"

"جب فرزانہ بیٹی تمہاری کاپی لوٹا دے گی تو میں اسے غور سے پڑھوں گا اور تمہیں انعام دوں گا۔" شہزادے نے کہا۔

"سچ انکل!"

"بالکل سچ! اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

"اوہ... بہت بہت شکریہ!" سومی نے خوش ہو کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے جناب! اب آپ اس کاپی کو شاید نہ پڑھ سکیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شہزادہ قرمان نے چونک کر کہا۔



"اس لیے کہ کاپی کل کسی نے ہمارے پاس سے اٹھا لی ہے۔"

"کیا!!" شہزادہ زور سے چلایا۔ "بھلا کسی کو سومی کی کاپی اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تو اٹھانے والا ہی جانے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا یہ سچ ہے، میری کاپی گم ہو گئی ہے؟" سومی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ سچ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ!" سومی نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ فرزانہ نے دیکھا، صدر صاحب کے ہاتھ اپنے سگار کے ڈبے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ فرزانہ کی انگلیاں اس وقت میز پر تھیں۔ اچانک وہ پوری قوت سے چلائی:

"اس ڈبے کو ہاتھ نہ لگائیں۔"

سب دھک سے رہ گئے تھے۔ صدر کے ہاتھ یک دم رک گئے۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ وہ سب فرزانہ کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

"کیا بات ہے۔ کیا تمہارے خیال میں سگار بکس میں کوئی بم موجود ہے؟" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں! بم تو خیر نہیں ہے، لیکن کوئی چیز ہے ضرور۔"

"مثلاً... تمہارے خیال میں کیا چیز موجود ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"کوئی ایسی چیز... جو صدرِ محترم کی جان لے سکتی ہے۔" فرزانہ نے

سنجیدہ لہجے میں کہا اور انسپکٹر جمشید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگے کیونکہ سگار کے ڈبے میں کوئی ایسی چیز ہونے کے بارے میں انہیں بھی کوئی شک نہیں ہوا تھا، سوال یہ تھا کہ پھر فرزانہ کو کس طرح شک ہو گیا تھا۔

"میں نے میز کی سطح پر بہت ہی مدھم ٹک ٹک کی آواز سنی ہے اور ڈبا میز کی سطح پر رکھا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا یہ ٹک ٹک گھڑی کی آواز سے ملتی جلتی ہے۔"

"نہیں... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی جاندار چیز اس کے اندر موجود ہے۔"

"کیا!!" محمود اور ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ خوفزدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں... اگر آپ کو یقین نہیں تو کسی چمٹی وغیرہ سے ڈبے کو دور رکھتے ہوئے کھول کر دیکھ لیجیے۔" اس نے کہا۔

سب کے دل دھک دھک کرنے لگے، اسی وقت ملازم کے ذریعے ایک لمبی سی لوہے کی چمٹی منگائی گئی، ملازم کو ہی حکم دیا گیا کہ سگار کے ڈبے کو چمٹے اور ہاتھوں سے دور رکھتے ہوئے اسے کھول ڈالے۔

ملازم نے ڈرتے ڈرتے سگار بکس کا ڈھکن اٹھا دیا۔ اس دوران سب لوگ اٹھ کر میز سے کچھ فاصلے پر چلے گئے تھے، ان کی نظریں



بکس پر جم کر رہ گئی تھیں، کمرے میں موت کی سی خاموشی طاری تھی اور وہ اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سن رہے تھے۔

پھر جونہی ڈھکن اٹھا، ان کے منہ سے نکلنے والی چیخیں کسی طرح نہ رک سکیں۔

---

# افریقہ کا بچھو

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ نے دیکھا، وہ سب بری طرح کانپ رہے تھے۔ صدر صاحب کا رنگ، تو اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے ان کے جسم میں خون کی ایک بوند نہ رہی ہو، حالانکہ سگار بکس میں نظر آنے والی چیز اس قدر خوفناک اور ہولناک نہیں تھی، یا شاید ان کے خیال میں نہیں تھی۔

بکس میں پانچ عدد بہت بڑے بڑے بچھو رینگ رہے تھے، ان کا رنگ بالکل سبز تھا۔ ڈنک اور مونچھیں اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور وہ تیزی سے چکر پھیریاں کاٹ رہے تھے۔

"افریقہ کا بچھو!" سوزی کے منہ سے سنسنی خیز لہجے میں نکلا۔

"افریقہ کا بچھو، کیا مطلب؟" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہ یہاں کی بہت خوفناک مخلوق ہے۔ کسی انسان کو کاٹ لے تو وہ پانی بن کر بہہ جاتا ہے، بس کپڑے اور ہڈیاں باقی رہ جاتی ہیں۔"

"اوہ!" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔



"اُف میرے خدا... میں بال بال بچ گیا۔ فرزانہ بیٹی یہ دوسرا موقع ہے جب تم نے میری زندگی بچائی ہے، مجھے وہ دن آج تک یاد ہے جب تم نے پوری عمارت کو بم کے دھماکے سے اُڑنے سے بچا لیا تھا اور آج اگر میں سگار بکس کھول لیتا، تو اس وقت زندہ نہ ہوتا، ان پانچوں میں سے کوئی ایک بھی میرے لیے کافی تھا جب کہ پانچوں میری انگلیوں سے چمٹ جاتے، کیونکہ یہ انسانی خون کی بُو حیرت انگیز تیزی سے محسوس کر لیتے ہیں۔" یہ کہتے وقت صدر صاحب کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

"مگر فرزانہ نے یہ کیسے محسوس کر لیا کہ بکس میں کوئی جاندار چیز ہے؟" سیونا راکا نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں واقعی... اس وقت کا سب سے حیران کن سوال تو یہی ہے۔" شہزادہ قومان نے کہا۔

"آپ لوگ فرزانہ سے واقف نہیں، اسے میں جانتا ہوں، یہ اور اس کے بھائی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہیں اور ان کے والد کا تو جواب ہی نہیں، اسی لیے تو میں نے ان لوگوں کو بلایا ہے۔"

"لیکن اس مرتبہ فرزانہ مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے، خود میں بھی یہ محسوس نہ کر سکا کہ سگار کے بکس میں کوئی جاندار چیز موجود ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور ان حالات میں آپ لوگ واپس جانے کی ٹھان بیٹھے ہیں؟"

صدر صاحب نے اُداس ہو کر کہا۔

"اس واقعے کے بعد ہمیں اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرنی پڑے گی۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!" صدر صاحب نے خوش ہو کر کہا، پھر ملازم کی طرف مڑے۔

"انہیں مار ڈالو!"

"نہیں نہیں... ہم انہیں زندہ پکڑوں گا، ہم اسے اپنے ملک لے جائیں گے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"بھلا تم انہیں لے جا کر کیا کرو گے؟" چن لین نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم انہیں پالیں گے۔" فاروق مسکرایا۔

"لیکن تم انہیں پکڑو گے کیسے؟" صدر صاحب نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جائیے۔ فرزانہ تم کمرے سے جا کر گتے کا وہ ڈبا لے آؤ جس میں طعام ہمیں آیا تھا۔"

"اچھا!" فرزانہ نے کہا اور دوڑتی چلی گئی۔

وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چوکور اور مضبوط گتے کا ڈبا تھا، راستے میں وہ ڈبے میں سوراخ بھی کرتی آئی تھی، اس مقصد کے لیے اس نے مانگ میں لگانے والی پن سے کام لیا تھا تاکہ بچھوؤں کو ہوا ملتی رہے۔ بچھو ابھی تک سگار بکس میں چکر کاٹ رہے تھے۔ اب محمود اور فاروق آگے بڑھے، انہوں نے فرزانہ سے گتے کا ڈبا



لے لیا۔ میز پر پڑے کانٹے اُٹھائے اور ان کی مدد سے بچھوؤں کو پکڑنے کے لیے سگار بکس پر جھک پڑے۔

"ارے ارے... یہ کیا کر رہے ہیں، یہ انتہائی خطرناک ہیں۔" سیوتا راکا چلایا۔

"تو کیا ہوا جناب؟ یہ کوئی پرندے تو ہیں نہیں کہ اڑ کر ڈنک مار دیں گے۔"

"پھر بھی ان کے نزدیک ہاتھ لے جانا مناسب نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم ان پانچوں کو ڈبے میں بند ضرور کریں گے۔"

"انہیں روکیے۔" سیوتا راکا نے انسپکٹر جمشید کی طرف رُخ کیا۔

"میں بچوں کو ان کے کھیل سے روکا نہیں کرتا۔" وہ مسکرائے۔

اور پھر ان کی آنکھیں حیرت میں ڈوب کر رہ گئیں۔ محمود نے دو کانٹوں پر ایک بچھو کو اٹھا لیا تھا، وہ بھی اس طرح کہ بچھو ادھر سے ادھر حرکت نہیں کر سکتا تھا، وہ کانٹوں کے درمیان الجھ کر رہ گیا تھا، پھر اس نے بچھو کو گتے کے ڈبے میں ڈال دیا۔ اتنی دیر میں فاروق ایک بچھو کو کانٹوں پر اٹھا چکا تھا۔

ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ صرف چند سیکنڈ میں چار بچھو سگار بکس سے گتے کے ڈبے میں منتقل ہو چکے تھے، ایک باقی رہ گیا تھا۔ محمود نے فرزانہ سے کہا۔

"کیا تم اپنے حصے کا ایک بچھو بھی نہیں اٹھاؤ گی؟"

"نہ بابا... مجھے تو ان سے گھن آتی ہے۔"

محمود مسکرا دیا اور اسی وقت اس نے پانچواں بچھو بھی اٹھا لیا۔ کمرے میں موجود اس ملک کے لوگوں نے اپنی زندگی کا حیرت انگیز ترین کھیل دیکھا تھا۔ ڈبے کو بند کرنے کے بعد انہوں نے چاروں کانٹے ملازم کو دیے اور کہا۔

"انہیں آگ میں ڈال دیں۔"

"خدا کی پناہ! یہ بچے ہیں یا کیا ہیں۔" تو بین کے منہ سے نکلا۔

"یہی وجہ ہے کہ میں نے انہیں دعوت دی تھی۔" صدر مسکرائے۔

"ابا جان! اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں۔" اچانک محمود نے کہا اور وہ سب چونک اٹھے۔ چونکنے والوں میں خود انسپکٹر جمشید بھی تھے۔

"ضرور ضرور۔ اس موقعے پر میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔" انہوں نے کہا۔

"تو پھر سنیے... آپ بے شک واپس جانے کا پروگرام بنائیں لیکن ہم اس سازش کا تختہ الٹے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ہم اصل مجرم کو گرفتار کر کے ہی یہاں سے جائیں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔" صدر صاحب کھل اٹھے۔

"بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ آج دوپہر کھانے کی میز پر ہم اصل مجرم کو قانون کے حوالے بھی کر سکتے ہیں اور اس کے بعد دو چار



دن ملک کی سیر کر کے واپس جانے کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔"

"اوہ ہیں ـــــ تو کیا اس مرتبہ میری بجائے کیس تم نے حل کر ڈالا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ تو خیر میں نہیں کہہ سکتا۔ ہم جانتے ہیں، آپ کی نظر تمام حالات پر پوری طرح ہے اور اس نتیجے پر آپ بھی یقیناً پہنچ چکے ہوں گے جس پر ہم پہنچے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں، اس سازش میں اصل ہاتھ کس کا ہے۔"

"کیا کہا ـــــ آپ جانتے ہیں۔" صدر صاحب چلا اٹھے۔

"جی ہاں، بہت اچھی طرح، لیکن اب مجرم کو بے نقاب میرے بچے کریں گے۔ اگر وہ کر سکے۔ ان کے ناکام رہنے کی صورت میں میں آگے آؤں گا۔"

"آپ اس قدر یقین سے یہ بات کہہ رہے ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے واپس جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔" سبوتا راکا کے لہجے میں حیرت تھی۔

یہی مجرم کا دل خوش کر رہا تھا۔ بلکہ یوں کہیے کہ آخری بار دل خوش کر رہا تھا، کیونکہ آج کے بعد اس بے چارے کو خوش ہونے کا پھر کبھی موقع نہیں ملے گا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"محل کے گرد پہرہ لگوا دیجیے... اب میری اجازت کے بغیر کوئی شخص بھی محل سے باہر نہیں جائے گا۔ یہاں تک کہ... معاف کیجیے گا، صدرِ محترم آپ بھی نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ دوپہر کا کھانا ختم ہو جائے... میرے اٹھنے کے بعد مجرم کے علاوہ باقی لوگ آزاد ہوں گے۔"

"تو... تو... کیا..." صدر صاحب ہکلائے۔

"ہاں! آپ محلاتی سازش کا شکار ہیں۔ مجرم کمرے میں موجود لوگوں میں سے ہی ایک ہے۔" انسپکٹر جمشید کی آواز بلند ہو گئی۔

اور وہ سکتے کے عالم میں رہ گئے۔

○

سکتے میں نہ رہ جاتے تو کیا کرتے۔ ان میں اس وقت صدر صاحب، شہزادہ قوبان، سبونا راکا، تن لین اور سوری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، جن میں سے ایک کے مجرم ہونے کا اعلان وہ کر رہے تھے۔ یا پھر ان کے علاوہ وہ خانساماں تھا جس نے ابھی کانٹے الگ میں ڈالے تھے۔

"میں بھول گیا۔" اچانک انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب! آپ کیا بھول گئے؟" صدر صاحب نے چونک کر پوچھا۔



"یہاں ایک آدمی کی کمی ہے۔ دوپہر کے وقت اس کی موجودگی بھی بہت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کمرے میں موجود لوگوں میں سے ہی ایک شخص مجرم ہے۔"

"اوہ! اور وہ کون ہے؟" سبونا راکا نے سکون کا سانس لیا۔

"مسٹر کارنیل۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"کیا کہا۔ مسٹر کارنیل... لیکن وہ تو پاگل ہو چکے ہیں۔" شہزادہ قوبان کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"کچھ بھی ہو۔ دوپہر کے کھانے کے وقت ان کی موجودگی بہت ضروری ہے۔" انھوں نے مضبوط آواز میں کہا۔

"بہت خوب! ایسا ہی ہو گا، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، اس مرتبہ آپ سے چوک ہو گئی ہے۔" صدر صاحب نے کہا۔

"چوک ہو گئی ہے، میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کہ ہم میں سے کوئی بھی سازشی نہیں ہے ہم سب بہت پرانے ساتھی ہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا، اگر میں غلطی پر ہوا تو معافی مانگ لوں گا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"آپ نہیں۔ ہم، کیونکہ مجرم کو بے نقاب کرنے کا اعلان ہماری طرف سے ہوا ہے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔" انھوں نے بھی مسکرا کر کہا۔
"میرا خیال ہے، اب چلنا چاہیے، لیکن نہیں... بہتر ہوگا کہ آپ محل کے گرد پہرے کے احکامات میرے سامنے دے دیں اور یہ بھی کہ میری اجازت کے بغیر کوئی شخص محل سے باہر نہیں جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

صدر صاحب نے کہا اور ایک کاغذ پر چند الفاظ لکھ کر اپنی انگوٹھی سے اس پر مہر لگائی اور دروازے پر کھڑے دربان کو دے دی۔

"کرنل کو دے آؤ۔"

"بہتر جناب!" اس نے ادب سے کہا اور تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

وہ ناشتے کی میز سے اپنے کمرے میں آ گئے۔

"بھئی تم تینوں تو چھپے رستم نکلے... میرا تو خیال تھا کہ تم سازش کی تہہ تک ہرگز نہیں پہنچے ہو گے۔" انسپکٹر جمشید نے ایک کرسی میں نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم ڈر گئے تھے کہ کہیں آپ واقعی واپس جانے کا پروگرام نہ بنا بیٹھے، اس لیے یہ اعلان کر بیٹھا۔" محمود نے کہا۔

"تو کیا تم کہیں واقعی حل نہیں کر چکے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے



میں حیرت تھی۔

"وہ تو خیر ہم اپنے خیال کے مطابق کر چکے ہیں۔"

"خیر بھئی... دیکھیں گے۔ دوپہر کو۔" انھوں نے کہا اور مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

---

# مجرم بے نقاب

کھانے کی میز پر سب کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کا کوئی عزیز فوت ہو گیا ہو۔ آج یہاں کارنیل بھی موجود تھا، وہ سومی کے ساتھ بیٹھا تھا اور سومی اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی۔

"پہلے ہم کھانا کھائیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کر محمود، فاروق اور فرزانہ کے مجرم کو بے نقاب کرنے کے بعد کچھ لوگوں کی بھوک بھی اڑ جائے" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چونک کر بولے،

"اور ہاں! آپ نے مجرم کی گرفتاری کے لیے کیا انتظام کیا ہے؟ کہیں وہ فرار نہ ہو جائے یا ہم میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچا بیٹھے"

"ڈائننگ ہال اس وقت فوج کے گھیرے میں ہے۔ محل کے گرد کڑا پہرہ ہے، کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا" صدر نے بتایا۔

"بس ٹھیک ہے۔ اب سب سے پہلے محمود اپنے خیالات سے آپ کو آگاہ کرے گا۔ محمود اگر فاروق اور فرزانہ کی مدد لینا پسند کرے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا، اگر ان کا کیس میرے خیال کے مطابق غلط ہوا، یا اس میں کوئی کمی ہوئی تو اس کمی کو میں پورا کر دوں گا۔



مجرم کو گرفتار کرانا آپ کا کام ہو گا، آپ اسے گرفتار کریں، یا معاف کر دیں، یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے، ویسے کیا آپ کمرے میں موجود کسی بھی شخص کو مجرم، غدار اور سازشی کے روپ میں دیکھنا گوارا کر سکیں گے؟" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"نہیں! مجھے ان میں سے کوئی بھی سازشی نظر نہیں آتا، مجھے یقین ہے، آپ کے اندازے غلط ثابت ہوں گے" صدر صاحب مسکرائے۔

"خیر دیکھا جائے گا، محمود، تم شروع کرو، کیا کہنا چاہتے ہو، تمہارے خیال میں مجرم کون ہے۔ تمہارے پاس اس کے خلاف ثبوت میں کیا کچھ موجود ہے؟"

"بہت بہتر ابا جان! شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ جب ہم..... اس ملک کے دارالحکومت کے ہوائی اڈے پر اترے تو فوراً ہی ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ ہمارے لیے جو کار بھیجی گئی تھی، اس کا ڈرائیور سازشی حضرات نے بدل دیا تھا، پروگرام یہ تھا کہ راستے میں کہیں کار روک لی جاتی اور ہم لوگوں کو اتار لیا جاتا، لیکن جب ابا جان نے ایک ہاتھ مار کر اسے بے ہوش کر دیا تو کار کا تعاقب کیا گیا۔ ایک ٹرک نے آگے سے راستہ روکا، ہم نے چھلانگیں لگا دیں، یہ دیکھ کر کار پر بم مار دیا گیا اور کار کے پرخچے اڑ گئے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم کار سے چھلانگیں نہ لگاتے تو ہم بھی نہ مارا جاتا، اس صورت میں صرف ہمیں اغوا کر

لیا جاتا اور باقی لوگوں کو جانے دیا جاتا، البتہ وہ اپنے زخمی ساتھی کو ضرور ساتھ لے جاتے، لیکن جب ہم نے کار سے چھلانگیں لگا دیں تو انہوں نے کار کو بم سے اڑا دیا، تاکہ ان کا زخمی ساتھی ختم ہو جائے اور ہمارے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے۔ پھر تعاقب کرنے والی کار اور ٹرک سے مسلح آدمی اترے اور انہوں نے ہماری طرف فائرنگ شروع کر دی، ہم کھیتوں میں رینگ گئے۔ اور جب حملہ آور بھاگ گئے تو ہمارا ایک ساتھی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔ مسٹر شوٹا اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ان کے سر میں گولی لگی تھی۔ ان کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی اور ہم یہاں آ گئے۔ مسٹر شوٹا ہر روز رات کو ڈائری لکھنے کے عادی تھے، لیکن جب اباجان ان کے گھر گئے اور ڈائری کو دیکھنا چاہا تو اسے بھی پہلے ہی اڑایا جا چکا تھا۔ گویا ہمارے لیے تفتیش کا ہر راستہ بند کر دیا گیا تھا، یہاں سب لوگوں سے تعارف ہوا، اسی وقت مسٹر کارنیل کے قہقہے سنائی دیے۔ معلوم ہوا وہ شہزادہ قمان کے گہرے دوست ہیں اور مشیر بھی، لیکن چند ماہ پہلے اچانک پاگل ہو گئے، بظاہر ان کے پاگل ہونے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی، نہ انہیں صدمہ پہنچا تھا، نہ بے پناہ خوشی میسر آئی تھی اور نہ دماغ پر کوئی چوٹ آئی تھی، پھر وہ پاگل کس طرح ہو گئے۔ یہ ایک بہت الجھا ہوا سوال تھا اور ہم بدستور اس کے جواب کی تلاش میں رہے۔ کارنیل سے ملاقات کے دوران سومی سے بھی ملے، لیکن درمیان میں آ کودی



ان کی کاپی... انہوں نے کاپی شہزادہ صاحب کو دکھائی تھی اور انہوں نے سرسری سی نظر ڈال کر تعریفی جملہ بولتے ہوئے کاپی واپس کر دی، لیکن نہ جانے کیوں فرزانہ کا جی چاہا، اس کاپی کو پڑھ کر دیکھوں، ہم کمرے سے نکل رہے تھے کہ مسٹر کارنیل نے شہزادہ صاحب کا گلا دبوچ لیا، یہ ایک عجیب بات تھی، کارنیل تو خطرناک پاگل تھے ہی نہیں، پھر انہوں نے شہزادے کو گلے سے کیوں دبوچا تھا... یہ چیز بھی ہمارے ذہنوں میں گردش کرنے لگی۔ اباجان مسٹر شوٹا کے گھر گئے، ادھر فرزانہ سومی کے کمرے میں چلی گئی۔ ہم کمرے سے باہر نکلنے لگے تو ایک خنجر سنسناتا ہوا آیا اور دروازے میں پیوست ہو گیا، ہمیں نشانہ بنایا گیا تھا، لیکن نشانہ چوک گیا۔ دوسری طرف سے تن لین آتے نظر آئے تو پہلا خیال ہمیں یہی آیا کہ انہوں نے ہی خنجر پھینکا ہے، لیکن انہوں نے بتایا کہ وہ تو اپنے گھر گئے تھے۔ ہم نے ان کے گھر جا کر معلوم کیا تو واقعی وہ وہاں سے ہو کر آ رہے تھے، لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ادھر سے آتے ہوئے انہوں نے خنجر پھینک مارا ہو۔ یہ خیال ہمارے ذہنوں میں جڑ پکڑ گیا اور اسی وقت اور بھی مضبوطی اختیار کر گیا جب شہزادہ صاحب اور سبزارا کا ایک ہی کمرے میں موجود ملے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی موجودگی میں تو ہم پر خنجر نہیں مار سکتا تھا اور ان کے علاوہ وہاں صرف صدر صاحب کا کمرہ تھا۔ ظاہر ہے، وہ خود ہی بلا کر ہم پر خنجر تو نہیں

چلا سکتے تھے۔ مسٹر تق لین پر شک اس وقت اور پختہ ہو گیا جب ابا جان سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر طوماؤں سے ملنے کے لیے گئے تھے۔" یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"تو... تو کیا... تق لین..." صدر صاحب ہکلائے۔

"نہیں... نہیں... یہ غلط ہے۔ میں ملک اور قوم کا وفادار ہوں، میں غدار نہیں ہوں۔ میں نے ملک کی خدمت میں دن رات ایک کر دیا ہے۔ میرے خلاف لگائے گئے اندازے بالکل غلط ہیں، آپ لوگوں کے پاس میرے خلاف ایک بھی ثبوت نہیں ہو گا۔" تق لین تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہتا چلا گیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے، مسٹر تق لین پر شک نہیں کیا جا سکتا۔" صدر صاحب نے کہا۔ "مسٹر جمشید مجھے اُمید ہے کہ آپ کا نظریہ آپ کے بیٹے سے بالکل مختلف ہو گا۔ خدا کے لیے جلدی کہیے۔"

"محمود! کیا تمہارا بیان مکمل ہو چکا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، میں تو سانس لینے کے لیے رُکا تھا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر اپنی بات مکمل کرو۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ مسٹر تق لین پر ہمارا شک پختہ ہو گیا۔ اس دوران مسٹر شوماٹا کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی، اس سلسلے میں بھی پہلے دو نقلی آدمی آئے، لیکن اس



سے پہلے کہ وہ ہمیں ختم کر سکتے، ہم نے انہیں گرفتار کرا دیا، انہوں نے اب تک ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا... رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں دو بہت ہی خاص باتیں معلوم ہوئیں اور ہمارا شک مسٹر تق لین پر سے کم ہونے لگا... اور جب ہم نے معاملے کا اس رپورٹ کی روشنی میں جائزہ لیا تو تصویر کا ایک اور ہی رُخ نظر آیا۔ اس مرتبہ مجرم کے فریم میں جو تصویر فٹ ہوتی نظر آئی، وہ مسٹر سیوتا راکا کی تھی۔"

"کیا!!" سیوتا راکا چلا اُٹھا۔

سب لوگ بھونچکا رہ گئے۔

○

چند سیکنڈ تک ہال میں گہرا سناٹا مسلط رہا، پھر محمود کی آواز گونجی:

"جی ہاں... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں صاف لکھا ہے کہ مسٹر شوماٹا پر گولی زیادہ سے زیادہ تین فٹ کے فاصلے سے چلائی گئی جب کہ حملہ آور اس وقت سڑک کے کنارے موجود تھے اور درمیانی فاصلہ کم از کم بیس فٹ تو ضرور تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان پر گولی تین فٹ کے فاصلے سے ماری جاتی۔ یہ صرف مسٹر سیوتا راکا کے لیے ممکن تھا، کیونکہ اس وقت گنے کی فصل میں مسٹر شوماٹا سے نزدیک ترین آدمی سیوتا راکا ہی تھے۔"

"یہ غلط ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔ اس وقت فصل میں مسٹر تن لین بھی تو تھے۔" سبوتا راکا نے چلا کر کہا۔

"ہاں، مسٹر تن لین بھی فصل میں موجود تھے، لیکن وہ اس وقت مسٹر شوشا سے بہت دور اور مجھ سے بہت نزدیک تھے اور میں نے انہیں مسٹر شوشا کی طرف گولی چلاتے ایک بار بھی نہیں دیکھا۔"

"یہ کوئی ثبوت نہیں کہا جا سکتا۔"

"ہم ایک اور ثبوت بھی پیش کر سکتے ہیں۔" فرزانہ پہلی مرتبہ بولی۔

"اور وہ کیا ہے، ذرا میں بھی تو سنوں؟" سبوتا راکا نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"وہ یہ کہ مسٹر شوشا کے دماغ میں سے نکلنے والی گولی ہمیں مل گئی ہے۔ ایک پستول سے چلائی جانے والی گولی پر کچھ خاص قسم کے نشانات پڑتے ہیں، یہ نشانات ہر پستول کے اپنے اپنے ہوتے ہیں جس طرح کسی انسان کی انگلیوں کے نشانات کسی دوسرے انسان کی انگلیوں کے نشانات سے کبھی نہیں ملتے، اسی طرح ایک پستول کے نشانات کسی دوسرے پستول کے نشانات نہیں ملتے۔ اب سیدھا سادا طریقہ یہ ہے کہ ہم مسٹر سبوتا راکا کے پستول سے ایک گولی چلا کر دیکھ لیتے ہیں، ماہرین خود ہی یہ فیصلہ کریں گے کہ دونوں گولیوں پر پائے جانے والے نشانات ایک دوسرے سے ملتے ہیں



یا نہیں۔" فرزانہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔" یہ کہہ کر سبوتا راکا نے جیب سے پستول نکال لیا، لیکن اس نے پستول ان کے سامنے میز پر ڈالنے کی بجائے ان سب پر تان دیا تھا اور سانپ جیسی آواز میں پھنکار کر کہا تھا:

"سب لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

---

# اصلی کون

ان کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سبوتا راکا ان پر اس طرح پستول بھی تان سکتا ہے جب کہ ہال کے چاروں طرف فوج کا پہرہ تھا اور محل کے گرد بھی۔ ان حالات میں تنہا سبوتا راکا کیا کر سکتا تھا، ان کے ذہنوں میں یہ سوال گونج اٹھا۔

"تو کیا یہ سچ ہے کہ مسٹر شوشا کو گولی تم نے ماری تھی؟" فاروق جو سبوتا راکا کے پاس ہی بیٹھا تھا، بول اٹھا۔

"ہاں! میں نے ہی اسے گولی ماری تھی۔"

"بہت خوب... آپ نے سنا صدر محترم... مجرم نے خود اپنی زبان سے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔" محمود چہکا۔

"اُف میرے خدا... سبوتا یہ تم تھے جو میرے خلاف سازش میں مصروف تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" صدر صاحب کی آنکھوں میں الجھن ہی الجھن نظر آنے لگی۔



"کیا مطلب... کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود چونکا۔

"اگر سبوتا راکا مجرم ہے تو پھر وہ خنجر کس نے پھینکا تھا کیونکہ اس وقت تو سبوتا راکا شہزادے کے ساتھ تھا۔" صدر صاحب نے کہا۔

"ہمیں یقین تھا کہ یہ سوال ضرور اٹھایا جائے گا... لیکن میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ابا جان اس سوال کا جواب دیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں! جب تم یہاں تک بالکل ٹھیک پہنچ گئے ہو تو آگے بھی جاری رکھو... اب جو کچھ بھی حقیقت ہے، وہ تو برداشت کرنی ہی پڑے گی۔" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر سنیے... خود شہزادہ صاحب اس سازش کے سرغنہ ہیں، جو کچھ ہوتا رہا ہے، انہی کی ہدایات پر ہوتا رہا ہے، سبوتا تو صرف ان کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا ہے۔ اس روز خنجر بھی کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر پھینکا گیا تھا اور یہ کام بھی دونوں کی مرضی سے ہوا تھا، مطلب یہ تھا کہ ہم میں سے ایک چل بسے اور ہمارے والد پریشانی کا شکار ہو کر ان کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔"

"اس سے بڑا الزام مجھ پر آج تک نہیں لگایا گیا، ابا جان میں یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔" شہزادے نے چلا کر کہا مگر ابا جان تو پتھر کے بت میں تبدیل ہو چکے تھے۔ انہیں اس سے بڑا صدمہ اور کیا پہنچ سکتا تھا کہ خود ان کا بیٹا ان کے خلاف سازش

میں مصروف تھا۔ باپ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر شہزادے نے دلیری سے کہا،

"آپ لوگوں کے پاس میرے خلاف کیا ثبوت موجود ہے؟"

"ہم ثبوت ضرور پیش کریں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ مسٹر شوشا بہت ذہین تھے۔ انھوں نے فوراً بھانپ لیا کہ سازش میں کون لوگ مصروف ہیں، لیکن ابھی انہیں پختہ یقین نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف آپ نے اور سلوتا نے یہ محسوس کر لیا کہ شوشا کو شک ہو گیا ہے۔ لہٰذا انہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا اور موقعے کی تاک میں رہنے لگے۔ یہ موقع سلوتا کو مل گیا اور فائرنگ کے دوران اس نے مسٹر شوشا کو گولی مار دی، لیکن سلوتا یہ بھول گیا کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ بھی بتا دیتی ہے کہ گولی کتنے فاصلے سے ماری گئی۔ دوسری طرف مسٹر کارنیل بہت گہرے آدمی ہیں، یہ شہزادے کے دوست ضرور ہیں، لیکن ان سے زیادہ یہ اپنے ملک اور قوم کے دوست ہیں، انھوں نے بھی محسوس کر لیا کہ شہزادہ اپنے والد کے خلاف سازش کا پروگرام بنا چکا ہے، انھوں نے کھلم کھلا مخالفت کی اور واضح لفظوں میں بتا دیا کہ اگر شہزادہ باز نہ آیا تو وہ صدر سے بتا دیں گے، یہ دیکھ کر شہزادے نے سوتے میں مسٹر کارنیل کے جسم میں سوئی کے ذریعے ایک زہر داخل کر دیا اور یہ زہر انہیں اس بڑی طاقت نے دیا تھا جس نے سازش کرانے کا پروگرام بنایا تھا، شہزادہ صاحب اس ملک



میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جا چکے تھے اور اسی دوران انہیں یہ شہ دی گئی تھی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے باپ کا تختہ اُلٹ کر حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں، ان کی ہر طرح مدد کی جائے گی، چنانچہ پروگرام بنا لیا گیا، لیکن ان لوگوں کی بدقسمتی کہ صدر صاحب نے انہیں بلا لیا، ادھر کارنیل سو فیصد پاگل نہ ہو سکے، کچھ کمی رہ گئی۔ کبھی کبھی وہ ہوش میں آ جاتے اور اپنی بیٹی کو کچھ باتیں بتا دیتے، بلکہ وہ اپنی کاپی میں لکھ لیتی تھی اور سومی کی یہ کاپی شہزادے کے خلاف سب سے بڑا ثبوت بن گئی۔ اس میں شہزادے کے سوئی چبھونے کا ذکر بھی ہے اور بھی کئی باتیں ایسی ملیں گی جن سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر کارنیل نے شہزادے کو باز رکھنے کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا، کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم کر کے خوش نہیں رہ سکتا۔ وہ کاپی ہمارے پاس محفوظ ہے، اگرچہ شہزادے کے کچھ گرگوں نے کاپی اڑانے کی کوشش بھی کی تھی، مگر وہ نقلی کاپی اڑا کر لے جا سکے۔ خنجر پر شاید انگلیوں کے نشان نہ ملیں کیونکہ خنجر کو نوک پر سے پکڑ کر پھینکا جاتا ہے، لیکن جتنے بھی ثبوت موجود ہیں، بہت کافی ہیں، یہ تھی کل کہانی۔" محمود نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

"بھئی واہ! تم نے تو کہانی ہر لحاظ سے مکمل کر دی۔ اب تو کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا۔ ہاں تو مسٹر سلوتا، اب تمہارا کیا پروگرام

ہے۔ ایک پستول سے تم کیا کر لو گے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس ایک پستول سے تو میں سازش کا پانسہ پلٹ کر رکھ دوں گا، میرا پروگرام کتنا شاندار ہے، یہ سن کر تم سب کے چہرے لٹک جائیں گے۔ سنو! تمہارے کمرے میں پڑا ہوا گتے کا ڈبا جس میں پانچ بچھو ہیں، تم لوگوں کے لیے بہت کافی ہو گا، ویسے بھی میرا پستول بے آواز ہے، ضرورت پڑی تو میں فائر بھی کر سکتا ہوں۔ بچھوؤں سے کٹوا کر شہزادہ صاحب پہرہ ختم کرنے کا حکم دے دیں گے اور اس کے بعد ملک میں اعلان کر دیا جائے گا کہ سازشی کامیاب ہو گئے، انہوں نے بچھوؤں کے ذریعے صدر صاحب کو ختم کر دیا۔ کسی نے ان کے ڈبے میں بچھو رکھ دیے تھے، لیکن عوام کو فکر کرنے اور پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں، شہزادہ صاحب نے حکومت کا کاروبار وقتی طور پر سنبھال لیا ہے، وہ بہت جلد انتخابات کا اعلان کرنے والے ہیں، چند روز میں انتخابات ہو جائیں گے اور عوام اپنا پسندیدہ لیڈر چن سکیں گے۔" یہ کہہ کر سبوتا راکا خاموش ہو گیا۔

"پروگرام واقعی بہت شاندار ہے، لیکن اس میں ذرا کمی ہے اور اس کمی کو پورا کرنا آپ دونوں کے بس کی بات نہیں۔ نمبر ایک کمی تو یہ ہے۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا، اس کے لہجے میں بلا کی شوخی تھی پھر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف مڑا اور بولا۔



"ابا جان! کیا آپ کی اجازت ہے؟"

"ہاں، ضرور!"

"کمی یہ ہے کہ صدرِ محترم نے فوج کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ ان کی ہدایت کے بغیر گھیرا نہ توڑا جائے، چنانچہ شہزادہ صاحب نہیں پہرہ ختم کرنے کا حکم دیں گے تو وہ تعمیل نہیں کریں گے۔"

"کیوں نہیں کریں گے، جب انہیں یہ بتایا جائے گا کہ صدر بچھوؤں کا شکار ہو گئے ہیں تو انہیں قائم مقام صدر کا حکم ماننا ہی پڑے گا، اس صورت میں وہ کس طرح انکار کر سکیں گے۔" شہزادے نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر... اس میں ایک اور زبردست کمی یہ ہے کہ آپ دونوں میں سے کوئی بھی گتے کے ڈبے تک نہیں جا سکتا، کمرے سے نکلنے سے پہلے باہر موجود فوجیوں کو یہ یقین دلانا ہو گا کہ صدر صاحب خدانخواستہ فوت ہو چکے ہیں اور کام تم بچھوؤں سے لو گے، بچھو ہمارے کمرے میں موجود ہیں۔ اس صورت میں ناکامی آپ کا مقدر بن چکی ہے، اس لیے پستول پھینک دو اور خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"ہرگز نہیں، اگر ہمارے پروگرام میں یہ کمی ہے تو ہم بچھو کا کام اس سے لیں گے، صدر صاحب کے لیے ایک گولی کافی ہے، انہیں کرسی پر بٹھا کر سر میز پر ٹکا دیا جائے گا، ابھی نہیں... ہم انہیں گلا

گھونٹ کر ہلاک کریں گے، کیونکہ گولی مارنے سے خون بہے گا اور
بچھو کے کاٹنے سے خون نہیں بہتا... کیوں شہزادہ صاحب...!"
سیوتا راکا نے سفاک لہجے میں کہا۔
"بالکل ٹھیک۔ بہت اچھا پروگرام ہے۔" شہزادے نے خوش
ہو کر کہا۔
"مگر مجھے افسوس ہے، اس پروگرام پر بھی عمل نہیں کیا جا سکے
گا، کیونکہ ہمیں پہلے معلوم تھا کہ غدار آپ ہیں، اس لیے میں نے
آپ کا پستول جیب سے نکال کر اس میں سے گولیاں نکال لی
تھیں اور یہ کام میں نے میز کے نیچے ہاتھ رکھ کر کیا ہے گولیاں
نکالنے کے بعد میں نے پستول آپ کی جیب میں واپس رکھ دیا تھا"
فاروق کہتا چلا گیا۔
"کیا!!" شہزادے کے منہ سے خوفزدہ انداز میں نکلا۔
"نہیں۔ یہ غلط ہے۔" سیوتا چلایا۔
"تو پھر فائر کر کے دیکھ لو۔" فاروق نے اسے دعوت دی۔
سیوتا نے تلملا کر ٹریگر دبا دیا، لیکن ٹرچ کی آواز کے سوا
کچھ نہ ہوا۔ فوراً ہی انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔
"آپ حضرات کا کھیل ختم ہو گیا۔ اب یہ صدر صاحب کی مرضی
ہے، وہ آپ لوگوں کو قانون کے حوالے کر دیں یا معاف کر دیں"
"ابا جان! مجھے معاف کر دیں۔"



شہزادے نے کہا اور باپ کے پیروں میں گر پڑا۔ صدر کی
آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر انہوں نے سر اوپر اٹھا کر کہا:
"اگر یہ معاملہ صرف میری جان لینے تک محدود ہوتا تو میں
ضرور معاف کر دیتا، لیکن تم نے وطن کے ساتھ غداری کی ہے
اور ملک اور قوم کے ساتھ غداری کو کسی صورت معاف نہیں
کیا جا سکتا۔ تاہم میں تمہیں اپنے ہاتھوں سزا نہیں دوں گا، تمہارا
فیصلہ ملک کی عدالت کرے گی۔"
یہ کہہ کر انہوں نے تالی بجائی۔ ملازم نے کمرے کا دروازہ کھول
دیا۔ فوراً ہی کرنل اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:
"تمام گفتگو ریکارڈ کی جا چکی ہے جناب والا۔"
"ٹھیک ہے کرنل۔ تم ان دونوں کو لے جا سکتے ہو۔ یہ اپنے
ساتھیوں کے نام بھی بتائیں گے، ان لوگوں کو گرفتار کرنا بھی تمہاری
ذمہ داری ہے۔" صدر نے اداس لہجے میں کہا۔
ادھر شہزادے اور سیوتا کو کمرے سے باہر لے جایا گیا، ادھر
صدر صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔